www.UrduFanz.com
دوزخی مجرم
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۷۹
دوزخی مجرم
اشتیاق احمد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ فرمایا، کبھی تو گھنٹے کی آواز کی مانند اور وہ میری طبیعت پر بہت گراں ہوتی ہے، پھر وہ پیغام جب یاد کر لیتا ہوں تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور کبھی فرشتہ انسان کی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور جو وہ کہتا ہے، اسے یاد کر لیتا ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ میں نے کڑاکے کی سردیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے دیکھی، جب وحی کا اترنا بند ہو جاتا تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا۔

(بخاری شریف)

اسلام علیکم!

اس کہانی کو لکھنے کے دوران میں گھن چکر بنا رہا۔ آپ وجہ ضرور پوچھیں گے گھن چکر بنے رہنے کی، لیکن میں آپ کو بتاؤں گا نہیں، اگر بتا دیا تو لطف نہیں رہے گا۔ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ کہانی پڑھنے کے دوران آپ بھی خود کو گھن چکر محسوس کرتے رہیں گے — اور جان جائیں گے کہ میں نے وجہ کیوں نہیں بتائی تھی —

کہانی پڑھنے کے دوران اگر آپ پلکیں جھپکنا تک بھول جائیں تو پروا نہ کیجیے گا۔ ناول ختم کرکے ایک ہی بار، بار بار پلکیں جھپک لیجیے گا۔ میں اس سے آسان نسخہ بتا بھی تو

نہیں سکتا۔ یہ کہانی ان لوگوں کے لیے ہے، جو ہر صفحے پر سسپنس چاہتے ہیں۔ ناول پڑھ کر یہ لکھنا مت بھولیے گا کہ آپ کو اس ناول کے ہر صفحے پر سسپنس ملا یا نہیں۔ کہیں ادھر ادھر تو نہیں ہو گیا —

[illegible]

الزام لگائے گا

محمود، فاروق اور فرزانہ ٹھیک چار بجے شام رضوانہ کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ گھنٹی بجانے سے پہلے محمود نے کہا:

'فرزانہ — تمہاری یہ سہیلی میری سمجھ میں تو آئی نہیں۔'

'بھئی وہ لڑکی ہے — حساب کا سوال نہیں۔' فرزانہ نے منہ بنایا —

'سمجھنے کی کوشش کرو — چند دن پہلے ہی وہ سکول میں داخل ہوئی — اس کے بھائی بھی دوسرے شہر سے اس شہر میں آئے ہیں — ان چند دنوں میں وہ تم سے اس قدر قریب ہو گئی کہ ہمیں دعوت بھی دے بیٹھی۔' محمود نے اسے گھورا۔

'اس میں بھی کوئی عجیب بات نہیں — پوری کلاس میں اسے میں ہی دوستی کے قابل نظر آئی ہوں۔' فرزانہ مسکرائی۔

'میرا خیال ہے — یہاں کھڑے ہو کر یہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں، آنے سے پہلے کر لیتے تو بہتر تھا —'

اب تم گھنٹی بجاؤ۔ ہو سکتا ہے۔ رضواز اپنے گھر میں محمود کی سمجھ میں آ جائے۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اندر دُور کہیں گھنٹی بجی۔ چند سیکنڈ بعد قدموں کی آواز سُنائی دی۔ اور پھر دروازہ کھلا۔ بڑی بڑی مونچھوں والے ایک مُلازم نے دروازہ کھولا اور کھُردری آواز میں بولا:

"کیا بات ہے بھئی۔ کس سے ملنا ہے؟"

"رضواز صاحب سے۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" ملازم نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے کہا ہے۔ ہمیں رضواز صاحب سے ملنا ہے۔"

"ایک منٹ ٹھہریں۔" اس نے کہا اور اندر کی طرف مُڑ گیا۔

"ہم۔ ہاں۔ خطرے کی بُو سونگھ رہا ہُوں۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"اپنے ناک کا علاج کراؤ علاج۔ یہاں خطرہ کہاں؟"

"رضواز کا نام سُن کر اس نے یہ کیوں کہا۔ کیا مطلب؟" محمود بولا۔

"بات واقعی سوچنے کی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو تم سوچتے رہو۔ منع کس نے کیا ہے؟" فرزانہ تلملا اٹھی۔

"آخر تم انگارے چبانے پر اُدھار کیوں کھائے بیٹھی ہو؟"

"ایک جملے میں دو محاورات کا خوب صورت استعمال۔" فاروق نے تعریف کی۔

"یہ اُردو گرامر کا پیریڈ نہیں ہے۔ ہم بات کر رہے تھے کسی اَنجانے خطرے کی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ایک تو ہم اِن اَنجانے خطرات سے بہت تنگ آ گئے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے انھیں۔" فاروق جھلّاتے ہوئے انداز میں بولا۔

"کن کی بات کر رہے ہو؟" محمود نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"بھئی انھی کی۔ میرا مطلب ہے۔ انجانے خطرات کی۔" فاروق مسکرایا۔

"یار چھوڑو۔ تمھاری اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی عادت نہیں گئی اب تک۔" محمود جھلّا اُٹھا۔

اُسی وقت قدموں کی آواز سُنائی دی اور ایک سیاہ فام آدمی نظر آیا۔ اس کے سر کے بال سر کی جلد کے ساتھ چپکے ہوئے تھے اور ننھے ننھے دائرے سے بنے ہوئے تھے ان کے۔ باہر آتے ہی اُس نے ایک تیز نظر ان پر ڈالی۔

"تو تم ہو وہ غنڈے۔ جو ان صاحب کو تنگ کرتے رہتے

ہو۔ ابھی بتاتا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ اس نے ایک بھرپور مکا محمود کی ٹھوڑی پر دے مارا۔

لیکن چونکہ وہ پہلے ہی خطرے کی بو کا اعلان کر چکا تھا، اور پھر اندر سے رضوانہ یا اس کے والد کی بجائے ایک سیاہ فام شخص باہر نکلا تھا، اس لیے کیسے ممکن تھا، محمود کی چھٹی حس بیدار نہ ہوتی۔ وہ فوراً نیچے بیٹھ گیا۔ سیاہ فام کا مکا اس کے سر پر سے گزر گیا۔ فاروق نے فوراً اس کی کلائی پر ہاتھ جمایا اور اسے آگے کی طرف جھٹکا دیا۔ وہ محمود کے اوپر سے ہوتا ہوا منہ کے بل نیچے گرا۔ ایسے میں فرزانہ نے اس کی کمر پر چھلانگ لگائی، ساتھ ہی محمود نے پیر کی ایک ٹھوکر اس کی پنڈلی پر رسید کی۔

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ مجھے یقین آ گیا۔"

اندر سے چہکتی آواز سنائی دی۔ انھوں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ جوان عمر کا ایک آدمی ہاتھ پھیلائے ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور رضوانہ شرمائی شرمائی اس کے پیچھے تھی۔

"یہ۔ یہ سب کیا ہے؟" محمود نے سیاہ فام کی طرف اشارہ کیا۔

"اندر چل کر اطمینان سے بیٹھ جائیں، پھر بتائیں گے۔ جوجی۔ اب تم بھی اٹھ جاؤ۔ بڑا مان تھا تمھیں۔ آخر میری بہن رضوانہ کا ہی خیال درست نکلا۔"

"کیسا خیال؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اندر چلیے۔ اندر۔"

وہ اندر کی طرف بڑھے۔ ایک نظر سیاہ فام جوجی پر ڈالی، وہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر اٹھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ خاک آلود ہو چکا تھا۔ دایاں پاؤں زمین سے اوپر اٹھا ہوا تھا۔ شاید محمود کی ٹھوکر کچھ زیادہ زور سے لگ گئی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد ادھیڑ عمر آدمی نے کہا:

"میرا نام افضل کاردار ہے۔ رضوانہ نے آپ لوگوں کا ذکر کیا تو میں ملے بغیر رہ نہ سکا۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے۔ لیکن۔ یہ جوجی والا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"جوجی والا معاملہ بہت عجیب و غریب ہے۔ میں آپ لوگوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ بس آپ سے ملاقات کی خواہش محسوس کی تھی، سو رضوانہ سے ذکر کر دیا اور یہ آپ لوگوں کو دعوت دے آئی۔"

"لیکن جناب — مسٹر جونی والا معاملہ کیا ہے؟"

"جونی میرا باڈی گارڈ ہے — میں نے ایک سال پہلے اسے اپنی حفاظت کے لیے ملازم رکھا تھا۔ رضوانہ نے جب آپ لوگوں کے بارے میں بتایا تو میں نے سوچا۔ رضوانہ کی باتوں کی ذرا جانچ کر لی جائے — کہیں یہ بڑھ چڑھ کر آپ لوگوں کی تعریف تو نہیں کر رہی — سو جونی نے پروگرام کے مطابق آپ پر اچانک حملہ کیا، لیکن میں تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا — آپ تو واقعی کمال کے لوگ ہیں۔"

"جی بس — ذرہ نوازی ہے آپ کی — ہم کس لائق ہیں — سوال یہ ہے کہ آپ کو باڈی گارڈ کی کیا ضرورت ہے؟" محمود بولا —

اسی وقت ملازم اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے — شاید بدمزگی کے —

"میز پر ہر چیز لگا دی گئی ہے سر۔"

"شکریہ رشید — آئیے بھئی چلیں — پہلے ذرا کھانے کے ساتھ انصاف کر لیا جائے۔" افضل کاردار بولے۔

وہ اٹھ کر کھانے کے کمرے میں آ گئے — کھانے کی میز چیزوں سے بری طرح لدی پھندی نظر آ رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے — آپ نے بہت تکلف کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس تکلف میں میرا ایک فی صد بھی حصہ نہیں۔" افضل کاردار بولے —

"کیا مطلب — آپ کا حصہ نہیں۔"

"یہ سب تیاری رضوانہ کی ہے۔"

"اوہ — تو یہ آپ کی زیادتی ہے رضوانہ۔" فرزانہ اس کی طرف مڑی —

"اسے زیادتی نہیں — خلوص کہتے ہیں۔"

آخر کھانے پینے کا دور شروع ہوا — فارغ ہونے کے بعد وہ پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"ہاں تو میں آپ سے پوچھ رہا تھا — آپ کو باڈی گارڈ رکھنے کی ضرورت کیوں کر پیش آ گئی؟"

"یہی تو میری زندگی کا سب سے بڑا خوف ناک مسئلہ ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ چونک کر بولے۔

افضل کاردار نے ایک نظر اپنی بیٹی اور جونی پر ڈالی اور پھر ان کی طرف مڑا۔

"کوئی ایک سال سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے — مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے — اس وقت تک وہ سات مرتبہ حملہ کر چکا ہے، لیکن اللہ کی قدرت، اس کا ہر حملہ ناکام

گیا۔ اب اس کے آٹھویں حملے کا انتظار ہے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ وہ آٹھواں حملہ بھی کرے گا۔ ہو سکتا ہے۔ وہ مایوس ہو گیا ہو اور اب کوئی حملہ نہ کرے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ایسی بات نہیں۔" افضل کاردار بولے۔

"تب پھر پوری بات بتائیں، تاکہ ہم کچھ اندازہ لگا سکیں۔ آپ کا دشمن ہے کون؟"

"میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ کیوں میرے پیچھے پڑا ہوا ہے؟"

"کیا آپ کی کوئی بہت بڑی جائداد ہے۔ زمین ہے۔ یا اس قسم کی کوئی اور بات ہے؟"

"نہیں۔ میں کوئی بڑا دولت مند آدمی نہیں ہوں۔ چند فرموں میں میں نے پیسہ لگا رکھا ہے۔ ان سے ماہانہ منافع ملتا ہے۔ اس منافعے پر میرا گزارا آسانی سے ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ دو شہروں میں دو چھوٹے موٹے مکان ہیں۔ اور بس۔ یہ کوٹھی کرائے پر لی ہے۔"

"آپ دوسرے شہر سے یہاں کس لیے آئے ہیں؟"

"اسی لیے کہ شاید اس طرح ہی اس دشمن سے پیچھا چھوٹ جائے، ویسے پہلے بھی میں یہیں رہتا تھا۔"

"آپ کو پوری کہانی سنانا پڑے گی۔ یہ قصہ کیسے شروع ہوا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ کیا آپ لوگ اسی وقت سننا پسند کریں گے۔ یا پھر کسی وقت۔"

"ہم اس وقت فارغ ہی ہیں۔ اور یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

"یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے۔ اب میں کہانی شروع کرتا ہوں۔"

عین اسی وقت کسی عورت کی تیز چیخ گونجی۔ وہ گھبرا کر اُٹھے اور ایک کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔ چیخ کی آواز اسی طرف سے آئی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک عورت فرش پر چت پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ سانس زور زور سے چل رہا تھا۔

"بیگم۔ کیا ہوا بیگم۔ خیر تو ہے؟" افضل کاردار نے گھبرا کر پوچھا۔

"وہ۔ وہ۔ میرے کمرے میں کوئی تھا۔ پہلے سے کوئی تھا۔"

میں اندر داخل ہوئی تو اس نے میرا گلا دبوچ لیا۔ وہ تو میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور وہ ڈر کر بھاگ گیا، ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔" اس نے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہا۔

"تو یہ آپ کی بیگم ہیں؟" محمود بولا۔

"ہاں! لیکن عجیب بات ہے۔" افضل کاردار بڑبڑائے۔

"کون سی بات عجیب ہے جناب؟ غیر عجیب بات تو یہاں ایک بھی نظر نہیں آ رہی۔" فاروق پریشان آواز میں بولا۔

"آج تک حملہ صرف اور صرف مجھ پر ہوا ہے۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ اس نے میری بجائے بیگم پر حملہ کیا۔" وہ بولے۔

"سوال تو یہ ہے کہ وہ اندر کس طرح داخل ہو گیا؟"

"میرے گھر میں داخل ہونا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"اس نے جب بھی حملہ کیا۔ گھر میں داخل ہو کر کیا۔ یہ ہم آج تک معلوم نہیں کر سکے کہ وہ اندر کس طرح داخل ہو جاتا ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ ہر وقت آپ کے

گھر کے آس پاس ہی منڈلاتا رہتا ہے۔ اور جب موقع مل جاتا ہے۔ اندر داخل ہو جاتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ اور اسی لیے پھر میں نے جونی کو ملازم رکھا۔"

"ایک منٹ۔" اچانک فاروق نے کہا اور دروازے کی طرف چلا گیا۔ فوراً ہی اس کی واپسی ہوئی:

"بیرونی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ وہ اسی راستے سے فرار ہوا ہے۔ اور غالباً آیا بھی اسی راستے سے تھا۔ لیکن ان حالات میں آپ لوگوں سے دروازہ کھلا کس طرح رہ جاتا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"رشید کو اس قدر چوکس کیا ہوا ہے، لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی دروازہ کھلا رہ ہی جاتا ہے۔" افضل کاردار نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں۔ کیوں کھلا رہ جاتا ہے۔ آپ کا ملازم کہاں ہے؟"

"میں ادھر کھڑا ہوں جناب۔" رشید کی آواز سنائی دی۔

"دروازہ کس طرح کھلا رہ گیا؟" محمود نے اسے گھورا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں جناب۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"تو پھر۔ قصور کس کا ہے؟"

"جب۔ بیگم۔ صاحبہ کا۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"رشید۔ کیا بدتمیزی ہے؟"

"جناب۔ اِن حالات میں مَیں اس گھر کی ملازمت نہیں کر سکتا۔" رشید نے جھنّا کر کہا۔

"نن۔ نہیں رشید۔ ایسا نہ کہو۔ دیکھو ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔" کاردار نے گھبرا کر کہا۔

"تب پھر مجھے بتانے دیں۔ مَیں آج یہ بات بتا کر رہوں گا۔" رشید نے بلند آواز میں کہا۔

اسی وقت بیگم کاردار اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں ایک خوف ناک چمک تھی۔

"یہ۔ یہ اب مجھ پر الزام لگائے گا۔ اس کی کسی بات کا اعتبار نہ کیجیے گا۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

آخری کمرہ

شہر کی ایک بھری پُری سڑک کے کنارے ایک بلند و بالا ہوٹل کی آخری منزل کے آخری کمرے میں ایک شخص ایک فائل میں اس قدر غرق تھا جیسے فائل دیکھنے کے علاوہ اسے دُنیا کا کوئی کام نہ ہو۔ اچانک دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ چونک اُٹھا۔ جلدی سے فائل کو میز کی دراز میں رکھا اور پھر پُرسکون آواز میں بولا:

"کون ہے؟"

"آرام بیگ۔" باہر سے آواز آئی۔

"ایک منٹ۔" اس نے کہا اور اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ فوراً ہی لمبے قد کا ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

"مسٹر سلطان خان۔ آپ کا خادم حاضر ہے۔"

"دروازہ بند کر دو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔" سلطان خان نے واپس مُڑتے ہوئے کہا۔

"شکریہ سر" اس نے کہا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا، پھر کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہمیں اس کام پر کتنا عرصہ ہو گیا ہے آرام بیگ؟" سنسان خان نے سرد آواز میں کہا۔

"بہت مدت ہو گئی سر"

"اور ہم نے اب تک کتنے فیصد کامیابی حاصل کی؟"

"ایک فیصد بھی نہیں" آرام بیگ بولا۔

"لیکن کیوں — تم تو ایسے کاموں کے ماہر ہو" سنسان خان نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ہاں! میں ماہر ضرور ہوں، لیکن نہ جانے کیا بات ہے، اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکا"

"اس کا صرف اور صرف ایک ہی مطلب ہے — اور وہ یہ کہ ہم اپنی چال میں ناکام ہو گئے ہیں — ہمارا طریقۂ کار ٹھیک نہیں ہے، ہمیں اس کو بدلنا ہو گا"

"جو آپ فرمائیں — میں کرنے کے لیے تیار ہوں — میں تو آپ کا غلام ہوں" آرام بیگ نے کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں — تم میرے غلام ہو — خیر — اب میں نے ایک نئی ترکیب سوچی ہے اور وہ یہ رہی" — یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ آرام بیگ کی طرف سرکا دیا۔

اس نے کاغذ پر لکھی تحریر پڑھی — مسکرایا اور کاغذ کو جیب میں رکھتے ہوئے بولا:

"اب آپ نے میری مرضی کا پروگرام بنایا ہے — اب دیکھیے گا — ہم کس قدر جلدی کامیاب ہوتے ہیں"

"ایسے نہیں" سنسان خان نے انکار میں سر ہلایا۔

"جی — کیا مطلب — تو پھر کیسے؟" وہ چونکا۔

"یہ کاغذ میرے حوالے کر دو"

"اوہ — اس کو تو میں بھول ہی گیا — آپ اور اپنے کسی کاغذ کو میرے پاس رہنے دیں — ہو ہی نہیں سکتا"

"اگر ہو نہیں سکتا تو پھر تم کیوں ایسی کوشش کرتے ہو" سنسان خان نے منہ بنایا۔

"ہم — میں بھول گیا تھا سر"

"بھئی جھوٹ تو نہ بولو — تم ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہو کہ میرے خلاف کوئی نہ کوئی مواد جمع کر لو اور پھر مجھے بلیک میل کرتے رہو — لیکن یاد رکھو — تمہاری زندگی میں وہ دن کبھی نہیں آئے گا کہ تم مجھے ڈرا دھمکا کر رقمیں اینٹھ سکو"

سنسان خان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"نن — نہیں — نہیں — ایسا نہیں — آپ کا یہ خیال غلط ہے میں واقعی آپ کا غلام ہوں" آرام بیگ نے گھبرا کر کہا۔

"بھئی۔ کوئی تمہیں جانے نہ جانے۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ابھی میں نے تم سے معاملہ طے نہیں کیا تھا، لیکن اس وقت بھی مجھے تمہارے بارے میں ساری معلومات حاصل تھیں۔ میں جانتا تھا کہ تم کیا کچھ کرتے ہو۔ اور مجھے بھی اسی قسم کے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں نے تم سے بات کی۔ اب تم مجھ پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہو۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"م۔ میں معافی مانگتا ہوں۔ واقعی میری نیت میں فتور آگیا تھا۔ اب میں نے اس فتور کو نکال پھینکا ہے۔" آرام بیگ نے پریشان آواز میں کہا۔

"یہ بات بھی غلط ہے۔" سنسان خان مسکرایا۔

"جی۔ کون سی بات؟" آرام بیگ چونکا۔

"یہ کہ تم نے اس فتور کو نکال پھینکا ہے۔ جب بھی موقع ملا، تم کوئی ثبوت حاصل کر کے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش ضرور کرو گے۔ لیکن یہ تمہارے بس کا روگ نہیں، اس لیے کہ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اور تم کچھ بھی نہیں جانتے میرے بارے میں۔"

"ہوں، اچھا خیر۔ ان حالات میں میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"کاغذ مجھے دے دو۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

آرام بیگ نے کاغذ سنسان خان کو دے دیا۔ اس نے لائٹر جلایا اور کاغذ کو آگ دکھا دی۔ پھر فرش پر گرنے والی راکھ کو بھی اس نے پاؤں سے مسل دیا۔

"اب میں اطمینان کا سانس لے سکتا ہوں۔ کہ تم اس مسلی ہوئی راکھ سے میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکو گے۔"

"اُف۔ آپ اس قدر محتاط ہیں۔" آرام بیگ نے کانپ کر کہا۔

"اس سے بھی زیادہ۔ اب جاؤ۔ اور نئی تجویز کے مطابق کام شروع کر دو۔"

"او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔ مجھے آپ خاطر خواہ معاوضہ دے رہے ہیں۔ بھلا میں کیوں کام نہ کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ایک منٹ آرام بیگ۔ میرا نام کیا ہے؟"

"سنسان خان جناب۔"

"میرا اصل نام اور پتا کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"میں نہیں جانتا سر۔"

"جاننے کی کوشش کی تھی تم نے۔" سنسان خان نے کہا۔

"نن۔ نہیں سر۔"

"یہ بھی تمہارا جھوٹ ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"تم نے یہ جاننے کی بہت کوشش کی کہ میں کون ہوں، اس سلسلے میں تم خان زوار سے بھی ملے تھے۔ اس کے کچھ راز تمہارے قبضے میں ہیں، لیکن وہ کوئی ایسے راز نہیں ہیں کہ خان زوار کو کوئی پریشانی لاحق ہو سکے۔ بس وہ تم سے بات کر لیتا ہے۔ تمہاری بات سن لیتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ بلا وجہ کیوں اس شخص کو دشمن بنایا جائے، اور اس بار تم نے اس سے یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ میں دراصل کون ہوں۔ لیکن سن لو۔ میں اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتا کہ تم میرے بارے میں دوسروں سے پوچھتے پھرو۔ خان زوار کے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ میں کون ہوں۔ وہ بے چارہ تمہیں کیا بتائے گا۔ آئندہ اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو پھر تمہاری لاش کسی سڑک پر پڑی ہو گی اور پولیس کے علاوہ اس لاش کو کوئی اٹھانے والا نہیں ہوگا کیوں کہ وہ ایک اتنی ہی بھیانک لاش ہو گی۔"

"نن۔ نہیں۔ سر۔ نہیں۔" آرام بیگ کانپ گیا۔

"اب جاؤ۔ یہ میری آخری وارننگ ہے۔ اس کے بعد میں منہ سے کچھ نہیں سمجھاؤں گا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اور آرام بیگ بھیگی بلی کی طرح کمرے سے نکل گیا۔

سنسان خان نے اُٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور فون پر جھک گیا۔ اب وہ دبی آواز میں کسی کو ہدایات دے رہا تھا۔

★

آرام بیگ نے ایک کمرے کے سامنے رُک کر دستک دی، دروازہ کھلا اور ایک باوردی ملازم نظر آیا:

"آرام بیگ۔" آرام بیگ نے کہا۔

ملازم نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک منٹ بعد پھر دروازہ کھلا:

"صاحب اندر تشریف رکھتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"شکریہ مسٹر لوم بوم۔" آرام بیگ نے مسکرا کر کہا۔

"کک۔ کیا مطلب؟" لوم بوم چونکا۔

"اوہ۔ میں نے شاید غلط نام لے دیا آپ کا۔ یہاں آپ نے اپنا کیا نام رکھا ہوا ہے۔ ہاں یاد آیا۔ ساجد میاں۔"

ٹھیک ہے نا؟"

"م ۔ میں ۔ میں ؟" بوم بوم ہکلا کر رہ گیا۔

"پہلے میں صاحب سے بات کر لوں ۔ پھر آ کر تمہارا بقیہ جملہ سنوں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

بوم بوم سکتے کے عالم میں اسے دیکھتے رہ گیا۔

ادھر آرام بیگ اندر داخل ہوا ۔ بڑی میز کے دوسری طرف ایک درمیانے قد و قامت کا آدمی بیٹھا نظر آیا۔

"مسٹر زوار خان آداب ۔ امید ہے آپ کے مزاج اچھے ہوں گے۔"

"تم ۔ تم پھر آ گئے۔" زوار خان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"جی ہاں! میں پھر آ گیا ۔ میں نے آپ سے مسٹر سنسان خان کے بارے میں پوچھا تھا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں تو پھر ۔ میں کہہ چکا ہوں کہ اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ۔ میں صرف اس ہوٹل کا مالک ہوں، ہوٹل میں رہنے والے ہر شخص کے بارے میں جاننا میری ذمے داری نہیں ۔ اور یہ میرا اخلاقی فرض بھی ہے کہ میں اپنے مسافروں کے بارے میں چھان بین نہ کروں۔"

"بالکل ٹھیک ۔ یہاں تک تو میں بھی آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تب پھر ۔ اتفاق کس بات میں نہیں کرتے؟"

"آخر یہ بات مسٹر سنسان خان کو کس طرح معلوم ہو گئی؟"

"کیا مطلب؟" خان زوار زور سے اچھلا۔

"ہاں! آخر یہ بات مسٹر سنسان خان کو کس طرح معلوم ہو گئی؟"

"میں نہیں جانتا ۔ لیکن یہ بات میرے لیے بھی بہت عجیب ہے۔"

"تب پھر آپ اپنا فکر کریں ۔ اس کمرے میں ہونے والی بات چیت مسٹر سنسان خان سنتے ہیں۔" آرام بیگ نے خود بھی فکر مند ہوتے ہوئے کہا ۔ کیوں کہ اسی وقت اسے خیال آیا تھا کہ اگر بات یہی ہے تو پھر اس وقت ہونے والی گفتگو بھی تو مسٹر سنسان خان نے سن لی ہو گی۔

"یہ ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" خان زوار ہکلایا۔

"پتا نہیں ۔ لیکن ایسا ہو چکا ہے۔"

"اوہ ۔ اوہ۔" خان زوار نے گھبرا کر کہا۔

"کیا آپ اب بھی یہ جاننے کی خواہش نہیں رکھتے کہ ۔" آرام بیگ کہتے کہتے رک گیا ۔ اسے اپنے جسم میں سنسنی کی لہریں اٹھتی محسوس ہوئیں۔

"ہاں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ یہاں ہونے والی گفت گو کس طرح سن لیتا ہے؟"

"اپنے ملازم کو یہاں بلائیے۔" اچانک آرام بیگ نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے۔ ساجد میاں کو۔" خان زوار نے کہا۔

"ہاں!"

"ساجد میاں۔ ادھر آؤ۔" خان زوار نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"یس سر۔" ساجد فوراً سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"ہاں۔ آرام بیگ۔ ساجد آگیا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"یہ حضرت یہاں کی خبریں وہاں پہنچاتے ہیں۔"

"ن۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔ یہ غلط ہے۔ ساجد سے مجھے ایسی امید نہیں۔"

"آپ ساجد کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟" آرام بیگ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ ایک وفادار ملازم ہے۔"

"آپ کے پاس کب سے ملازم ہے؟"

"تین سال سے۔ ان تین سالوں میں اس نے مجھے ایک شکایت کا بھی موقع نہیں دیا۔"

"بالکل ٹھیک۔ مجھے تو آپ یہ بتائیں۔ تین سال پہلے یہ کہاں تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔ میں نے تو اخبار میں چند ملازمین کی ضرورت کا اشتہار دیا تھا۔ اور پھر انٹرویو کے بعد اسے رکھ لیا گیا تھا۔ اس کے ماضی کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اور نہ اس کی ضرورت تھی۔ کیوں۔ کیا تم اس کے ماضی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ اس کا اصل نام بوم بوم ہے۔ اور تین سال پہلے یہ جیل میں تھا۔ یہ ایک بہترین جرائم پیشہ ہے۔ جرم کے بہت سے طریقوں کا ماہر۔"

"یہ۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں ساجد؟"

"اگرچہ یہ باتیں درست ہیں، لیکن میں اس زندگی کو چھوڑ چکا ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تین سال زندگی میں آپ میری ایک بھی غلط حرکت ثابت نہیں کر سکتے۔"

"مسٹر آرام بیگ بتا تو رہے ہیں کہ تم یہاں ہونے والی باتیں مسٹر منان خان تک پہنچاتے ہو۔"

"یہ بالکل غلط ہے۔" بوم بوم نے چلا کر کہا۔

"نہیں بوم بوم- یہ- یہ- یہ-" آرام بیگ اٹک کر رہ گیا- اس کے چہرے کا رنگ یک دم اڑ گیا اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا—

خان زوار اور بوم بوم نے اسے حیرت زدہ انداز میں دیکھا—

٭

ترکیب

"نہیں! میں الزام نہیں لگاؤں گا- جو بات ہے، وہی کہوں گا۔" رشید نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"میں کہہ چکی ہوں- یہ الزام لگائے گا- کاردار صاحب- آپ کو معلوم ہے- میں ذہنی طور پر پریشان رہتی ہوں- مہربانی فرما کر مجھے اور پریشان نہ کیا جائے۔"

"ہاں ٹھیک تو ہے- آپ آئیے- میں آپ کو دوسرے کمرے میں پہنچا دوں- آرام کریں- میں رشید کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دوں گا- آپ بے فکر رہیے۔"

"شکریہ- آپ بہت اچھے ہیں۔" بیگم کاردار نے کہا۔

اور وہ انھیں بازو سے پکڑ کر کمرے سے لے گئے—

چند منٹ بعد ان کی واپسی ہوئی، پھر وہ سب ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"مجھے عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کچھ دیر کے لیے تم اپنے احساس کو الگ رکھو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"بہت بہتر۔" اس نے بھی محمود کو گھورا۔ وہ افضل کاردار کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں رشید۔ اب بتاؤ۔ تم کیا کہنا چاہتے تھے اس وقت؟" افضل کاردار بولے۔

"بیگم صاحبہ بیرونی دروازہ بند کرنے کی بہت مخالف ہیں۔ ادھر آپ کا حکم یہ ہے کہ دروازہ ہر وقت بند رکھا جائے۔ تاکہ وہ نامعلوم آدمی حملہ آور نہ ہو سکے۔"

"عجیب بات ہے۔ تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟" افضل کاردار کے لہجے سے بلا کی حیرت ٹپک رہی تھی۔

"بتاتا کیسے۔ ہر وقت بیگم صاحبہ کی گھورتی نظریں میرا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔"

"کیا۔ تم نے کبھی کسی حملہ آور کو گھر میں داخل ہوتے بھی دیکھا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں آج تک کسی کو نہیں دیکھ سکا۔"

"تو کیا وہ کسی وقت بھی دروازہ بند نہیں رہنے دیتیں؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی نہیں۔ یہاں تک کہ رات کو بھی نہیں۔ راتوں کو اُٹھ

اُٹھ کر دروازے کو چیک کرتی ہیں۔ اور جب بھی بند ملتا ہے، کھول دیتی ہیں۔"

"شاید ہم اپنی زندگی کی حیرت انگیز ترین بات سن رہے ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہم۔ میں نے بھی یہ بات پہلی بار سُنی ہے۔"

"اس کا تو صاف مطلب یہ ہوا کہ حملے آپ پر خود بیگم صاحبہ کرا رہی ہیں۔ اسی لیے وہ دروازہ کھول دیتی ہیں کہ حملہ آور کو اندر داخل ہونے کا موقع مل جائے۔"

"یہ بات تو اب ذہن میں آ گئی کہ حملہ آور کو اندر داخل ہونے کا موقع کس طرح ملتا رہا ہے۔ لیکن اب اس سے بھی بڑا سوال یہ سامنے آ گیا ہے کہ بیگم صاحبہ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اس بات نے تو مجھے چکر میں ڈال دیا ہے۔" افضل کاردار نے کہا۔

"جی نہیں جناب۔ یہ بات نہیں۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" کاردار بولے۔

"آپ چکر میں نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ چکر کیا ہے۔"

"کک۔ کیا مطلب؟"

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم اس معاملے میں آپ کی

مدد کریں۔ تو پھر سادی بات آپ کو صاف صاف بتانا ہوگی۔"

"بیگم کی چیخ سے پہلے میں آپ کو کہانی سنانے لگا تھا، لیکن اب یہ کہانی اور بھی پُر اسرار ہو گئی ہے۔ آخر بیگم کو کیا ضرورت ہے دروازہ ہر وقت کھلا رکھنے کی؟"

"اس پر ہم بعد میں غور کریں گے۔ پہلے آپ کہانی سنائیں۔"

"یہ کہانی پچھلے سال شروع ہوئی۔ اس وقت میں دوسرے شہر میں اپنے مکان میں رہتا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ فوراً ہی ایک نقاب پوش شخص نے مجھ پر خنجر سے وار کیا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی۔ وار اوچھا پڑا۔ اور وہ بھاگ نکلا۔ میں نے پولیس اسٹیشن جا کر رپورٹ درج کرا دی۔ واقعہ بہت عجیب اور خوف ناک تھا۔ میں کئی دن تک پریشان رہا۔ ایک رات پھر وہ گھر میں گھس آیا اور حملہ آور ہوا، لیکن میں پھر بچ گیا۔ میں نے پھر پولیس اسٹیشن کا رُخ کیا۔ لیکن پولیس اس آدمی کا کوئی سُراغ نہ لگا سکی۔ اس طرح تیسری بار پھر حملہ ہوا۔ پھر میں نے جولی کو ملازم رکھ لیا۔ اس کے بعد چار مرتبہ حملہ ہوا۔"

"اور یہاں آ کر بھی اس کے حملے جاری ہیں؟"

"ہاں۔ بالکل۔ عجیب ترین بات یہی ہے کہ ابھی تک

وہ ایک بار بھی کامیاب نہیں ہوا۔ جب کہ وہ کوئی تیز طرار معلوم ہوتا ہے۔" افضل نے کہا۔

"اس کا ایک ہی مطلب میرے ذہن میں آتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ۔ وہ آپ کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ صرف خوف زدہ کرنا چاہتا ہے۔"

"خوف زدہ۔ لیکن کیوں؟"

"ہو سکتا ہے۔ آپ کی بیگم صاحبہ اس راز سے پردہ اُٹھا سکیں، کیوں کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح اس معاملے میں شریک ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہُوں! اب تو میں بھی یہی سوچ رہا ہُوں۔"

"تب پھر۔ بیگم صاحبہ سے بات کریں۔ وہ غلط دکھا کر راز کو چھپانا چاہتی ہیں۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب میں اس معاملے میں صبر نہیں کر سکتا۔ ہم ابھی اور اسی وقت ان سے بات کریں گے۔ آیئے چلیں۔" انھوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا آپ اپنی کہانی پوری سنا چکے ہیں؟" محمود بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"آپ نے کوئی بات چھپائی تو نہیں؟"

چند سیکنڈ تک افضل کاردار پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھتے رہے، پھر بولے،

"آپ لوگ بہت چالاک ہیں۔ بہرحال۔ میں نے اگر کچھ چھپایا ہے، تو وہ بھی بتا دوں گا۔ پہلے بیگم سے بات کر لی جائے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

ایک منٹ بعد وہ اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ جس میں افضل کاردار تھوڑی دیر پہلے اپنی بیگم کو بند کر گئے تھے۔

انھوں نے دیکھا۔ بیگم کاردار ایک کرسی میں گم صم بیٹھی تھیں، آہٹ سن کر انھوں نے سر اوپر اٹھایا:

"کیا بتایا اس نے آپ کو؟" انھیں دیکھتے ہی اس نے پوچھا، لہجے میں بے تابی تھی۔

"تم خود کو پریشان نہ کرو۔" افضل کاردار بولے۔

"اوہ شکریہ۔ تم بہت اچھے ہو۔" انھوں نے بیگم کو مسکراتے دیکھا۔

"اگر میں بہت اچھا ہوں تو پھر یہ بتا دو۔ تم دروازہ کیوں کھلا رکھتی ہو؟" افضل کاردار بولے۔

"تو یہ کہا ہے اس نے۔ یہ سراسر الزام ہے۔"

"آخر تم کیوں پریشان ہو۔ یہ بتا دو بیگم۔"

"افسوس! میرے پاس بتانے کے لیے کچھ نہیں ہے، اگر مجھے زیادہ پریشان کیا گیا تو چیخنا چلانا شروع کر دوں گی۔"

"ہوں! یہ نہیں بتائیں گی کاردار صاحب۔ آئیے چلیں۔ ہم خود ہی معلوم کر لیں گے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیا معلوم کر لیں گے؟" بیگم کاردار جلدی سے بولیں۔

"یہ کہ۔ وہ کون ہے، جو کاردار صاحب پر حملہ کرتا ہے، اور جس کو اندر آنے کا آپ خود موقع دیتی ہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"یہ مجھ پر الزام ہے۔ آپ لوگ بھول گئے ہیں۔ حالاں کہ آپ کے سامنے کی بات ہے۔"

"کیا بھول گئے ہیں؟" فاروق نے انھیں تیز نظروں سے گھورا۔

"یہ کہ آج اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔"

"اوہ ہاں واقعی۔ یہ بات تو ہم بھول گئے۔" کاردار جلدی سے بولے۔

"لیکن ہم نے حملہ آور کو حملہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

فاروق نے کہا۔

"کیا مطلب ـ کیا میں نے ڈراما رچایا ہے؟"

"پتا نہیں ـ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔" محمود بولا۔

"جائیے ـ میرا دماغ نہ چاٹیں ـ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

آخر انھیں باہر نکل آنا پڑا۔

"کاردار صاحب ـ یوں کام نہیں چلے گا ـ آپ نے ان سے شادی کب کی تھی؟"

"آج سے ایک سال پہلے۔"

"بیگم صاحبہ کا نام کیا ہے، ان کے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا۔" وہ بولے۔

"کیا مطلب؟" تینوں چونک اٹھے۔

"ہاں! میں نہیں جانتا ـ ان کا نام کیا ہے ـ ان کے ماں باپ کہاں رہتے ہیں ـ میں نے خود ان کا نام رکھا تھا ـ اور وہ ہے کوثر۔"

"بات واضح نہیں ہوئی۔"

"یہ مجھے ایک سال پہلے سڑک کے کنارے بے ہوش پڑی ملی تھیں ـ میں انھیں گھر لے آیا ـ ڈاکٹر کو بلایا، لیکن وہ انھیں ہوش میں نہ لا سکا ـ پھر انھیں لے کر ہسپتال جانا پڑا۔

کئی دن کی کوشش کے بعد انھیں ہوش آیا، لیکن یہ اپنی یادداشت کھو چکی تھیں ـ انھیں کچھ یاد نہیں تھا، یہ کون ہیں ـ کہاں رہتی ہیں، ان کے ماں باپ کا کیا نام ہے۔"

یہاں تک کہہ کر کاردار خاموش ہو گئے۔

"اس صورت میں آپ اخبارات وغیرہ میں ان کی تصاویر شائع کرا سکتے تھے ـ پولیس اسٹیشن سے پتا کر سکتے تھے ـ کہ گم شدگی کی کوئی رپورٹ تو درج نہیں کرائی گئی۔"

محمود نے کہا۔

"میں نے یہ سب کچھ کیا تھا، لیکن ان کے بارے میں کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔"

"یعنی کوئی شخص بھی آپ کے پاس نہیں آیا۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں! اب میں اور کیا کرتا ـ میرے گھر میں رہتے ہوئے انھیں کئی ماہ گزر گئے، پھر میں نے ان سے شادی کر لی۔"

"یہ ایک حیرت انگیز کہانی ہے ـ وہ اخبارات تو آپ کے پاس محفوظ ہوں گے ـ جن میں ان کی تصاویر وغیرہ آپ نے شائع کرائی تھیں۔"

"ہاں بالکل ـ کیوں نہیں ـ میں آپ کو تمام اخبارات

دکھا سکتا ہوں۔"

"تب پھر پہلا کام یہی کریں۔ اس ساری کہانی کا تعلق ضرور ان کی سابقہ زندگی سے ہے۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اپنی سابقہ زندگی میں یہ کون تھیں۔ کہاں رہتی تھیں اور ان کے گم ہونے پر ان کے گھر والوں نے انھیں تلاش کیوں نہ کیا۔"

"آیئے میرے ساتھ لائبریری میں۔ وہیں دیکھ لیجیے۔" افضل کاردار بولے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ان اشتہارات اور تصاویر کا جائزہ لے رہے تھے۔ انھوں نے ایک ایک چیز کو غور سے پڑھا۔ تصاویر کو بھی غور سے دیکھا۔ باقی لوگ اس وقت لائبریری میں نہیں تھے۔ ایسے میں فرزانہ نے تجویز پیش کی:

"انھی دنوں کے اخبارات میں کسی لڑکی کی گم شدگی کا اشتہار دیکھنا چاہیے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔"

اب انھوں نے ایسے اشتہار کی تلاش شروع کی۔ اور آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد وہ تین لڑکیوں کے اشتہارات تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تینوں نوجوان لڑکیوں

کی گم شدگی کے اشتہارات تھے۔ اور ان میں تصاویر بھی دی گئی تھیں۔ انھوں نے ان تینوں کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ لیکن کوئی ایک بھی بیگم کاردار والی تصویر سے ملتی جلتی نظر نہ آئی۔

"نہیں بھئی۔ ان میں سے تو کوئی بیگم کاردار نہیں ہو سکتی۔"

"تب پھر۔ کیا کیا جائے۔ یوں تو تفتیش کی گاڑی رک جائے گی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"دھکا لگانا پڑے گا۔" محمود مسکرایا۔

"دھکا ہی لگانا ہے تو پھر فرزانہ کی عقل کو دھکا کیوں نہ لگائیں۔" فاروق فوراً بولا۔

"میری عقل ابھی گئی گزری نہیں ہوئی۔ سمجھے جناب۔" فرزانہ نے کہا۔

"اچھا۔ تو پھر بتاؤ نا کوئی ترکیب۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ابا جان کو فون کر کے بلا لیا جائے۔ معاملہ بہت گہرا معلوم ہوتا ہے۔"

"اور دوسری بات۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"دوسری بات یہ کہ پہلی بات پر ہی عمل کر لیا جائے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں سمجھ گیا۔" فاروق نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"اب اگر تم کوئی بات سمجھ ہی گئے ہو تو پھر بتا بھی دو کہ کیا سمجھ گئے ہو۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"یہ کہ فرزانہ کی عقل سے آج ابھی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں — آخر یہ تم دونوں کی عقلیں کس دن کام آئیں گی۔"

"تب پھر ایک ترکیب مجھ سے سن لو۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ترکیب — اور وہ بھی تمہاری — بس سونے پر سہاگہ ہی ہو گی۔" فرزانہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"بھئی پہلے سن تو لو۔"

"ہم کسی ماہر نفسیات سے ملیں اور اس کے ذریعے بیگم کاردار کی یادداشت واپس لائیں۔"

"بہت لمبا پروگرام ہے — کیوں محمود؟" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ہاں! لیکن اگر ہم کچھ بھی نہ کر سکے تو پھر یہی آخری طریقہ کار ہو گا — اس لحاظ سے فاروق کی ترکیب بے کار نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"شکریہ محمود — آج شاید پہلی بار تم نے فرزانہ کے مقابلہ میں میرا ساتھ دیا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں تو — میرا خیال ہے — پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا ہے — خیر — اب کوئی اور ترکیب بتاؤ۔" محمود نے کہا۔

"اب تمہاری باری ہے۔"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں ترکیب بتانے کا دھنی نہیں ہوں — میں تو بس عمل کرنا جانتا ہوں، آگ میں کود پڑنے کے لیے کہو — کود جاؤں گا۔" محمود نے کہا۔

"خیر — فی الحال تو ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"وہ مارا — ترکیب ذہن میں آ گئی۔" فرزانہ نے چہک کر کہا۔

"تو پھر جلدی بتاؤ۔ کیوں کر ترکیبیں عام طور پر تمہارے ذہن سے پھسل بھی جاتی ہیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

اور فرزانہ انہیں ترکیب بتانے لگی —

ملاقات

"کیا بات ہے آرام بیگ۔ خیر تو ہے۔ تم کیا کہنے جا رہے تھے؟"

"میں کہہ رہا تھا کہ بوم بوم کا بیان غلط ہے۔ لیکن اب میں کہتا ہوں، یہ جھوٹ نہیں بول رہا۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" خان زوار نے منہ بنایا۔

"آپ نہیں سمجھیں گے خان زوار۔ آپ ان معاملات کو کیا جانیں۔ آپ ٹھہرے سیدھے سادے کاروباری آدمی۔ اور یہ معاملات ہیں جرائم کی دنیا کے۔ وہ دیکھیے۔ آپ کے کمرے کے آتش دان کے نیچے کیا چیز چپکی ہوئی ہے۔"

خان زوار تیزی سے گھوما۔ اور پھر اس نے حیران ہو کر کہا:

"یہ تو سیاہ بٹن سا ہے۔"

"جی نہیں — یہ ایک جدید آلہ ہے — اس کے ذریعے سے
ہی مسٹر سنان خان اس کمرے میں ہونے والی گفت گو
سُنتے رہتے ہیں اور اس وقت ہونے والی گفت گو بھی سُن
چکے ہیں۔" آرام بیگ نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"لیکن تمہاری آواز کیوں کانپ رہی ہے؟"

"اب — اب میری خیر نہیں۔" آرام بیگ نے گھبرا کر کہا،
پھر تیزی سے مُڑا اور باہر نکل گیا — ایک بار پھر وہ اُوپر
جا رہا تھا —

آخری کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے دستک
دی۔

"آ جاؤ بھئی — دروازہ کُھلا ہے۔" اندر سے سنان خان
کی آواز سُنائی دی —

آرام بیگ لرزتا کانپتا اندر داخل ہو گیا —

"تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا — اور تمہاری وجہ
سے میرا ایک راز بھی ظاہر ہو گیا۔" سنان خان کی آواز
سرد تھی —

"یس سر — یس سر۔" اس نے لرز کر کہا۔

"اور میں نے کہا تھا — آئندہ میرے بارے میں کچھ
جاننے یا کسی سے کچھ کہنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"میں جانتا ہوں سر — اسی لیے تو میں یہاں آ گیا
ہوں — مجھے نہیں معلوم تھا — آپ اس آلے کی مدد سے
وہاں کی بات چیت سُنتے ہیں — میں یہ خیال کر بیٹھا تھا
کہ زوار خان نے آپ کو بتایا ہے — لہٰذا میں اس سے
پُوچھنے چلا گیا — بس یہی میری غلطی ہے۔"

"نہیں جانا چاہیے تھا آرام بیگ — تم نے میرا کام خراب
کر دیا — اب میں تمہارا کام خراب کروں گا۔" سنان خان
نے سرد آواز منہ سے نکالی۔

"ن — نہیں سر — مجھے معاف کر دیں — میرا یہ مطلب
نہیں تھا کہ آپ کے بارے میں چھان بین کروں — میں
تو صرف ان لوگوں کو جھاڑ پلانا چاہتا تھا۔"

"میں نے تمہیں ایک کام کا حکم دیا تھا آرام بیگ —
اس کام کے لیے تو تم گئے نہیں اور دُوسرے کام میں جس
سے منع کیا تھا، اُلجھ گئے — اس کی سزا تو تمہیں ملنی
ہی چاہیے۔"

"چلیے سر — آپ مجھے سزا دے لیں — لیکن — مجھے موت
کے گھاٹ نہ اُتاریں۔"

"ہوں ٹھیک ہے — سزا بعد میں دی جائے گی — جاؤ
پہلے وہ کام کرو — جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔" سنان

خان نے تلملا کر کہا۔

"او کے سر۔ بہت بہت شکریہ"۔ آرام بیگ نے خوش ہو کر کہا اور باہر نکل آیا۔ وہ ہوٹل سے باہر نکلا اور اپنی کار میں بیٹھ کر ایک سمت میں ہوا ہو گیا۔

جلد ہی وہ ایک تنگ سے مکان میں داخل ہو رہا تھا۔ اس مکان کے ایک کمرے میں اس وقت چار آدمی موجود تھے۔ ان کی شکل اور صورت سے ہی یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ کوئی شریف لوگ نہیں ہیں۔ غنڈے اور بدمعاش ہیں۔ آرام بیگ کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔

"کیا رہا نمبر؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"باس ناراض ہو گیا"۔ اس نے کرسی گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"ایک تو یہ کہ ابھی تک ہم کامیاب نہیں ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اس کے بارے میں چھان بین کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی"۔ آرام بیگ مسکرایا۔

"جو آپ کی پرانی عادت ہے"۔

"ہاں! اور کیوں نہ ہو بھئی۔ اسی عادت کی بنا پر تو ہم عیش کرتے ہیں۔ دوسروں کی کمزوریاں جان لیتے ہیں

اور پھر انہیں بلیک میل کرتے ہیں۔ ان سے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے ہیں"۔

"لیکن اب کیا ہوگا؟"

"فی الحال۔ وہ کچھ نرم ہو گیا ہے۔ پتا نہیں اپنا کام نکالنے کے لیے۔ یا پھر اسے واقعی ترس آ گیا ہے۔ اب ہمیں بھی چاہیے کہ جو کام اس نے ہمارے ذمے لگایا ہے، وہ کر کے دکھا دیں"۔

"ایک تو یہ آپ کا باس کام بہت عجیب عجیب لیتا ہے، آج تک ہماری سمجھ میں تو اس کا ایک کام بھی نہیں آیا"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"اور وہ چاہتا بھی یہی ہے کہ اس کا کوئی کام کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئے"۔ آرام بیگ بولا۔

"خیر۔ اب اس نے کیا حکم دیا ہے؟"

"تم لوگوں کو رات کے ٹھیک گیارہ بجے میرے ساتھ چلنا ہے۔ موقع پر پہنچ کر بتاؤں گا۔ کام کیا ہے"۔

"اوہ"۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے سفید بالوں والے اس بوڑھے آدمی
کو حیرت زدہ انداز میں دیکھا، پھر بولے:
"میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا۔"
"لیکن آپ کے ملک کے صدر نے تو مجھے بتایا تھا کہ وہ
میری ملاقات انسپکٹر جمشید سے کرا رہے ہیں۔" اس نے منہ بنا
کر کہا۔
"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں انسپکٹر جمشید ہوں۔" وہ مسکرائے۔
"اگر آپ انسپکٹر جمشید ہیں تو پھر آپ میری بات کیوں
نہیں سمجھے۔" بوڑھے نے کہا۔
"دیکھیے سردار عارف۔ بات کہنے کا اپنا اپنا انداز ہوتا
ہے۔ میری آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے۔ ہو سکتا ہے،
جو آپ کہہ چکے ہیں۔ اس سے میں وہ بات سمجھ گیا ہوں۔
جو آپ مجھے بتانا چاہتے ہیں، لیکن اگر وضاحت کر دیں تو
کیا یہ بہتر نہیں ہوگا۔"
"میں وضاحت کروں گا۔ بے فکر رہیں۔"
"تو پھر کیجیے وضاحت۔"
"میں اس ریاست کا قائم مقام سرپرست ہوں۔
ریاست کے صدر فوت ہوتے وقت اس کا انتظام میرے
سپرد کر گئے تھے، کیوں کہ ان کی بیٹی اس وقت بہت

کم عمر تھی۔ ان کی وصیت تھی کہ جب ان کی بیٹی بڑی
ہو جائے۔ اس وقت میں حکومت اس کے حوالے کر
دوں۔ اور اب جب کہ وہ بڑی ہو چکی ہے۔ میں نے
حکومت اس کے حوالے کر دی ہے، لیکن سازشی لوگ
لوگ ایک نئے رخ سے سازش کر رہے ہیں، بس میں
یہ چاہتا ہوں۔ آپ ان کی سازش کو بے نقاب کر دیں۔"
"سوال یہ ہے کہ وہ سازش کیا کر رہے ہیں؟"
"ان کا کہنا ہے کہ میں نے صدر کی بیٹی کی بجائے اپنی
بیٹی کو حکومت سونپ دی ہے۔"
"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔
"میری بیٹی بھی صدر صاحب مرحوم کی بیٹی کی ہم عمر
ہے۔ دونوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک ترقی یافتہ ملک میں
بھیج دیا گیا تھا۔ وہ قریباً پندرہ سال وہیں رہیں۔ دس
سال بعد جب میں نے محسوس کیا کہ اب وقت ہے۔
شہزادی کو اس کا حق سونپ دیا جائے، چنانچہ میں
نے ان دونوں کو پیغام بھیج دیا کہ فوراً چلی آئیں۔" یہاں
تک کہہ کر سردار عارف خاموش ہو گیا۔
"تب پھر۔ کیا ہوا؟"
"ریاست میں دونوں کی بجائے صرف ایک پہنچی۔"

"ایک بہن!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! میں نے جب دوسری کے بارے میں پوچھا تو اس نے ایک خوف ناک خبر سنائی۔ اور وہ خبر یہ تھی کہ دوسری ایک سال سے غائب ہے۔ اس کا کہیں پتا نہیں چل رہا۔ پہلی نے یہ خبر اس لیے چھپائے رکھی کہ ریاست کے سازشی لوگ اس خبر کو خوب اچھالیں گے۔ میں بہت فکرمند ہوا۔ اس نے بتایا کہ گم شدگی کی رپورٹ لکھوائی گئی تھی، لیکن پولیس کوئی سراغ نہیں لگا سکی۔

اب میں اس کے سوا کیا کر سکتا تھا کہ اسے ریاست کا انتظام سونپ دوں۔ اور یہی میں نے کیا۔ میں اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ سازشی لوگوں نے اس وقت سے الزام عاید کرنا شروع کر دیا تھا کہ میں نے شہزادی کو گم کر دیا ہے اور اپنی بیٹی کو حکومت سونپ دی ہے۔"

سردار عارف پھر خاموش ہو گیا۔

"اور حقیقت کیا ہے۔ آپ تک ان میں سے کون سی پہنچی تھی؟"

"ہم۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"کیا مطلب۔ آپ نے کیا کہا۔ آپ نہیں جانتے۔ یہ کیسے

ہو سکتا ہے۔ آپ اپنی بیٹی کو بھی نہیں پہچان سکتے؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔ ان دونوں کی شکل اور صورت بہت حد تک ملتی جلتی تھی۔ پھر جب وہ ریاست سے گئی تھیں، اس وقت صرف چھ چھ سال کی تھیں۔ اور وہاں جانے کے بعد وہ پڑھائی میں اتنی مصروف ہو گئیں کہ کبھی ہم سے ملنے نہ آئیں۔ ادھر ہم بھی مصروف تھے، دوسرے ان کی پڑھائی میں مخل ہونا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا کبھی ملنے نہ گئے۔ اب ان میں سے ایک لوٹ کر آئی ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ صدر کی بیٹی لوٹ کر آئی ہے۔ یا میری۔"

"خود لڑکی کا کیا کہنا ہے؟"

"اس کا کہنا ہے۔ وہ شہزادی ہے۔ اور میری بیٹی گم ہو چکی ہے۔" سردار عارف نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

"اور آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں اور کیا کرتا۔ یقین نہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ میری بیٹی ہے اور اس نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے یہ چکر چلایا ہے۔ میں اپنی بیٹی کو چکمہ باز کس طرح سمجھ سکتا ہوں؟"

"اور اب سازشی یہ کہتے ہیں کہ آپ نے حکومت اپنی بیٹی کے حوالے کر دی ہے۔ اور شہزادی کو غائب کرا دیا ہے۔"

"جی ہاں! بالکل۔"

"پوری بات تو سمجھ میں آ گئی۔ اب یہ بتائیے۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں۔ آپ دُوسری بچّی کو تلاش کر دیں۔ تاکہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ اس مسئلے کا بس یہی حل ہے۔" سرداد عارف نے کہا۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ کیا آپ مجھے ان دونوں کی کچھ تصاویر دے سکتے ہیں؟"

"صرف بچپن کی۔ بڑے ہونے پر انھوں نے کوئی تصویر اگر بنوائی بھی۔ تو ریاست میں نہیں بھیجی۔"

"ہوں۔ خیر۔ بچپن کی ہی دے دیں۔ جس ملک میں اور جس جگہ وہ پڑھتی رہی ہیں۔ اس کی بھی تفصیلات مجھے دے دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ چیزیں ابھی چند منٹ تک آپ کو مل جائیں گی۔"

اسی وقت قدموں کی آواز ابھری۔ انھوں نے مڑ کر

دیکھا، صدرِ مملکت چلے آ رہے تھے:

"کیوں جمشید۔ ان کا مسئلہ سُن لیا؟"

"یس سر!"

"یہ ہمارے بہت گہرے دوست ہیں۔ اور بہت ایماندار بھی۔ ریاست ٹوبان کے صدر بھی ہمارے دوست تھے۔ اور پھر ان کی ریاست بھی۔ ایک خاص اہمیت والی ریاست ہے۔ اس کا آزاد رہنا، ہمارے مُلک کے لیے، بہت ضروری ہے۔ جب کہ دُشمن مُلک کی کوشش یہ ہے کہ کسی طرح اس ریاست کو ہڑپ کر لے۔ ہو سکتا ہے۔ یہ سازش بھی ریاست کو ہڑپ کرنے کے سلسلے میں کی گئی ہو۔ اگر ایسی کوئی کوشش کی گئی تو ہم بھی میدان جنگ میں کودے بغیر نہیں رہیں اور پھر کئی مُلک جنگ کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے عالم گیر جنگ چھڑ جائے۔"

"اوہ۔ تو اس مسئلے کا یہ خوف ناک پہلو بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔

"ہاں! سازشی لوگوں کے اشارے پر پڑوسی مُلک ریاست پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔ میں سمجھ گیا۔ اور آپ بے فکر رہیں۔ میں دُوسری بچّی کو جلد تلاش کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔"

"اس میں احسان کی تو کوئی بات نہیں۔" صدر صاحب بولے۔

تصاویر اور ضروری معلومات لے کر انسپکٹر جمشید ایوانِ صدر سے نکل آئے۔ ان کا رُخ اب گھر کی طرف تھا۔ کوئی چیز ان کے ذہن میں کھد بد مچا رہی تھی۔ آخر وہ گھر پہنچ گئے۔ دروازہ بیگم نے کھولا:

"بچے کہاں ہیں؟" وہ بولے۔

"فرزانہ کی ایک سہیلی کے گھر۔ اس نے کھانے پر انھیں بلایا ہے۔" وہ بولیں۔

"اوہ اچھا!" انھوں نے کہا اور لائبریری کی طرف بڑھ گئے۔

"کیوں۔ چائے پینے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"

"انھی کے ساتھ پی لیں گے۔ تم بھی ذرا لائبریری میں آ جاؤ۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ میں بھی لائبریری میں آ جاؤں! میں کیا کروں گی؟"

"ایک کام میں میرا ہاتھ بٹانا ہوگا۔ کام بہت ہی

اہم ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" بیگم جمشید مسکرائیں۔

انسپکٹر جمشید اخبارات کی فائلیں فرش پر ڈھیر کرنے لگے۔ پھر وہ ان میں گم ہو گئے:

"یہ کیا۔ آپ تو ان میں گم ہو گئے اور میں بے کار کھڑی ہوں۔ اس سے تو بہتر ہے، میں باورچی خانے میں اپنا کام نپٹا لوں۔"

"نہیں۔ ابھی چند منٹ ٹھہرو۔" وہ بولے اور پھر گم ہو گئے۔ بیگم جمشید کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار نمودار ہونے لگے۔ تنگ آ کر انھوں نے کہا:

"یہ تو ناانصافی ہے۔ آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

"بس دیکھتی جاؤ۔" انھوں نے کہا۔

"دیکھ تو بہت دیر سے رہی ہوں۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"اچھا تو پھر تھوڑی دیر اور دیکھ لو۔"

"لیکن کیا دیکھ لوں۔" انھوں نے فوراً کہا اور انسپکٹر جمشید کو ہنسی آ گئی۔

"ادھر آؤ۔ ذرا ان تصاویر کو غور سے دیکھو۔" انھوں نے [illegible] اخبارات میں دیے گئے اشتہارات کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

بیگم جمشید چند لمحے تک ان تصاویر کو دیکھتی رہیں، پھر بولیں:

"یہ تصاویر ایک ہی لڑکی کی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ اور کوئی بات؟"

"اور یہ کہ لڑکی بہت خوب صورت ہے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"بات خوب صورتی اور بدصورتی کی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر۔ کس کی ہے؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اب ذرا ان تصاویر کو دیکھو۔" انھوں نے جیب سے چند تصاویر نکالیں۔ یہ سردار عارف نے انھیں دی تھیں۔

"یہ تو کسی چھوٹی سی بچی کی ہیں۔"

"غور کرو۔ ان میں کوئی عجیب بات معلوم ہوتی ہے یا نہیں۔" انھوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

ان کے لہجے نے بیگم جمشید کو غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ آخر چند منٹ کے غور کے بعد انھوں نے کہا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہ تصاویر اس لڑکی کے

بچپن کی تصاویر ہوں۔"

"بہت خوب بیگم۔ میں تمھارے منہ سے یہی بات سننا چاہتا تھا۔" انسپکٹر جمشید پُرجوش لہجے میں بولے۔

"اگر آپ یہی بات سننا چاہتے تھے تو مجھے بتا دیا ہوتا، میں پہلے ہی کہ دیتی۔" وہ بولیں۔

"لیکن اس طرح بالکل مزا نہ آتا۔"

"یہ چکر کیا ہے؟" انھوں نے پوچھا۔

"چکر پھر بتاؤں گا۔ پہلے تو ذرا میں یہ اشتہار دینے والوں کے گھر ہو آؤں۔ یقیناً یہ لڑکی وہیں رہتی ہو گی۔"

"لیکن یہ پتا تو راجا آباد کا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ راجا آباد یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا راستا ہو گا۔"

یہ کہتے ہی وہ باہر کی طرف لپکے۔ جلد ہی ان کی کار بلا کی رفتار سے راجا آباد کی طرف جا رہی تھی۔ راجا آباد پہنچ کر انھیں وہ مکان تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی، لیکن یہ دیکھ کر ان کی مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔

انھوں نے ساتھ والے گھر کے دروازے پر دستک

دی۔ ایک نوجوان آدمی باہر نکلا:
"معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو زحمت دی۔"
"کوئی بات نہیں۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"
"یہ آپ کے پڑوسی کہاں گئے؟"
"یہ۔ یہ تو بہت دنوں سے یہاں نہیں ہیں۔"
"مکان ان کا اپنا ہے یا کرائے پر لے رکھا تھا انھوں نے؟" وہ بولے۔
"جی نہیں۔ ان کا اپنا ہے۔ آج کل دارالحکومت میں رہتے ہیں۔"
"ارے!" ان کے منہ سے نکلا۔
"کیوں کیا ہوا؟" نوجوان بولا۔
"میں دارالحکومت سے ہی یہاں آیا ہوں۔"
"اوہ۔ تب تو آپ نے بلاوجہ سفر کیا، لیکن آپ کو کیا معلوم تھا!"
"جی۔ جی ہاں! آپ ان کا دارالحکومت کا پتا بتا سکتے ہیں؟"
"ضرور کیوں نہیں۔ اندر میری نوٹ بک پر لکھا ہے۔ ابھی لاتا ہوں۔" اس نے کہا اور اندر کی طرف گیا۔

"شکریہ جناب!" وہ بولے۔
جلد ہی وہ ایک کاغذ ہاتھ میں لیے باہر آگیا۔
"شکریہ!" انسپکٹر جمشید نے کاغذ اس سے لیتے ہوئے کہا۔
"میں اس مکان کو اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔
"جی۔ کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔
"میں سفر کر کے آیا ہوں۔ کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا میں اس کو اندر سے دیکھوں گا۔"
"بھلا میں کس طرح اجازت دے سکتا ہوں؟"
"آپ کو اجازت دینے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ شکریہ۔" یہ کہ کر وہ مکان کی طرف آئے اور پھر اس کے تالے پر جھک گئے۔ اب ان کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک گچھا نظر آ رہا تھا۔
"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں، جناب!" نوجوان بولا۔
"میں صرف ایک نظر اندر ڈالوں گا اور بس۔"
"لیکن آپ کو تالا کھولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔" نوجوان نے کہا۔
"کوئی بات نہیں۔ میں مجبور ہوں۔ حق بے شک نہیں ہے۔" انھوں نے کہا۔

"تو کیا میں پولیس کو فون کروں۔ آپ کو میرے فون کرنے پر اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ آپ شوق سے فون کریں۔"

اسی وقت کھٹک کی آواز سنائی دی۔ تالا کھل گیا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مڑ کر دیکھا تو نوجوان غائب تھا۔ غالباً فون کرنے چلا گیا تھا۔

ٹانگ

فرزانہ کی ترکیب سن کر وہ کھڑے ہو گئے۔ محمود نے پُر جوش انداز میں کہا:

"ہاں! ٹھیک ہے۔ اس وقت ہم یہی کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ محمود۔ تم نے میری ترکیب کو پسند کیا۔" فرزانہ بولی۔

"ترکیب کارگر رہے تب بات ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ آگے جو اللہ کو منظور۔"

لائبریری سے نکل کر وہ باہر آئے۔ افضل کاردار لپک کر ان کی طرف آئے:

"کوئی خاص بات معلوم ہوئی؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ خاص بات ہم چٹکی بجاتے معلوم کر لیتے ہیں۔ ہم ذرا ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ دو گھنٹے تک لوٹ آئیں گے۔ اس دوران آپ چوکس رہیں۔"

گھر کا دروازہ کھلا نہ رہنے دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا۔

تینوں بین الاقوامی لائبریری پہنچے۔ اور پرانے اخبارات میں گم ہو گئے۔ ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد انھیں ایک اخبار میں ایک تصویر نظر آئی۔ ان کی نظریں اس تصویر پر جم کر رہ گئیں۔

"اف اللہ! یہ تو بیگم کاردار کی تصویر ہے۔"

"اور اخبار میں گم شدگی کا اشتہار دیا گیا ہے۔ کاش۔ افضل کاردار بھی یہاں آ کر اس ریکارڈ کو چیک کر لیتے، انھیں معلوم ہو جاتا کہ وہ لڑکی جو انھیں ملی ہے۔ کون ہے۔ اور کہاں رہتی رہی ہے۔"

"کام بن گیا۔ آؤ اب چلیں۔" محمود نے کہا۔

انھوں نے اس اخبار کی فوٹو سٹیٹ تیار کرائی اور ایک بار پھر افضل کاردار کے گھر کی طرف چلے۔ سارا گھر انھی کے انتظار میں تھا:

"کیا رہا؟" افضل کاردار بے تابانہ بولے۔

"کامیابی۔ ہم نے معلوم کر لیا۔"

"کک۔ کیا معلوم کر لیا۔" افضل کاردار گھبرا گئے۔

"آئیے۔ دکھاتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کا کیا حال ہے؟"

"سو رہی ہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ انھیں سونے دیجیے۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

"آپ کا بیان ہے۔ بیگم صاحبہ آپ کو ایک سال پہلے ایک سڑک کے کنارے بے ہوش پڑی ملی تھیں۔ آپ انھیں اُٹھا کر گھر لے آئے، لیکن وہ ہوش میں نہ آ سکیں، پھر انھیں لے کر ہسپتال جانا پڑا۔ تب کہیں جا کر انھیں ہوش آیا، لیکن ان کے ہوش میں آنے پر پتا چلا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہیں۔ پھر آپ نے ان کے وارثوں کو تلاش کرنا شروع کیا، اخبارات میں اشتہارات دیے۔ لیکن کچھ پتا نہ چلا اور پھر مجبور ہو کر آپ نے ان سے شادی کر لی۔"

"جی ہاں! یہ سب باتیں بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ نے کیا معلوم کیا ہے؟" انھوں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ پہلے آپ یہ بتائیں۔ آخر آپ نے ان سے شادی کس طرح کر لی۔ یہ کیوں نہ سوچا کہ ہو سکتا ہے، وہ کسی کی پہلے ہی بیوی ہوں۔"

"اوہ۔ یہ خیال تو مجھے نہیں آیا۔ کک۔ کہیں ایسا ہے تو نہیں۔"

"نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کریں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بات

کچھ اور ہی ہے۔"

"اور وہی ہم جاننا چاہتے ہیں۔"

"یہ ایک ترقی یافتہ ملک میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں، وہاں سے گم ہو گئیں۔ وہاں ان کی گم شدگی کا اشتہار دیا گیا تھا، لیکن آپ نے غیر ملکی اخبارات تو شاید دیکھے ہی نہیں۔"

"جی نہیں۔ میں تو انھیں اسی ملک کی سمجھا تھا۔"

"یہ دیکھیے۔ ہم اخبار کی فوٹو سٹیٹ لے آئے ہیں۔" محمود نے اخبار ان کے سامنے پھیلا دیا۔ بیگم کاردار کی گم شدگی کے اشتہار پر وہ ایک ساتھ جھک پڑے اور حیرت زدہ انداز میں پڑھنے لگے۔

"یہ اشتہار ان کی بہن اور ساتھی کی طرف سے ہے۔ گویا ہمیں اب وہاں رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔"

"فون نمبر دیا ہوا ہے۔ ابھی فون کر لیتے ہیں۔" انھوں نے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ مارے بے چینی کے ان کا برا حال تھا۔ اور پھر سلسلہ مل گیا۔ محمود نے فوراً کہا:

"دیکھیے۔ یہ ہوٹل امپیریل ہی ہے نا؟"

"یس سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"شکریہ۔ میں مس الماس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ اب یہاں نہیں ہوتیں۔ اپنی ریاست چلی گئی ہیں۔"

"اور مس روماز۔" وہ بولا۔

"مس روماز تو بہت عرصہ پہلے گم ہو گئی تھیں۔ اور ان کا کوئی پتا نہیں چل سکا تھا۔"

"اوہ۔ اور کیا آپ مس الماس کا پتا نوٹ کروا سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی بہن کا سراغ مل گیا ہے اور ہم ان کو اطلاع دینا چاہتے ہیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں، لیکن آپ کو چند منٹ انتظار کرنا ہو گا۔ یا پھر آپ دس منٹ ٹھہر کر فون کر لیں۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"لیجیے کاردار صاحب۔ آپ کی بیگم کا سراغ اب لگنے ہی والا ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔" انھوں نے بے چینی کے عالم میں کہا۔ چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا، دوسرے بھی کچھ کم بے چین نہیں تھے۔ آخر دس منٹ بعد پھر فون کیا گیا۔ اور دوسری طرف سے کہا گیا،

"مس الماس ریاست ٹوبان کی رہنے والی ہیں اور مس روماز بھی، لیکن انھوں نے ریاست کا پتا نہیں لکھوایا

ہوا تھا۔ لہٰذا ہم اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں
کر سکتے۔"

"شکریہ۔ یہ بھی بہت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور
رکھ دیا اور ان کی طرف دیکھا۔

"آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہوگی کہ آپ کی
بیگم کا تعلق ریاست ثوبان سے ہے، لیکن ریاست
میں ان کا پتا کیا ہے، یہ ہم اب بھی نہیں جان
سکے، تاہم ہم معلوم کر لیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہاں!
بیگم صاحبہ کی خبر گیری کرتے رہیں۔"

"وہ سو رہی ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"ان کے پاس۔ یا کمرے کے دروازے پر کسی کو مقرر
کر دیں۔ یہ معاملہ کچھ بہت گہرا لگ رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ رشید۔ تم بیگم کے کمرے کے باہر
موجود رہو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔
ایک منٹ بعد ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی،
انھوں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ رشید دوڑتا چلا آ رہا تھا۔

"خیر تو ہے رشید؟"

"وہ۔ وہ۔ بیگم صاحبہ۔"

"کیا ہوا انھیں؟"

"غائب ہیں۔"

"کیا کہا۔ غائب ہیں۔"

اور وہ سب بیگم کاردار کے کمرے کی طرف دوڑ
پڑے۔ وہ واقعی اپنے کمرے میں نہیں تھیں۔ ان کے
چپل فرش پر ہی موجود تھے۔ بستر کی چادر فرش پر گھسٹ
آئی تھی۔ اس کا کچھ حصّہ بستر پر بھی رہ گیا تھا۔

"صاف اغوا کا کیس ہے۔ افسوس آپ نے ان کی حفاظت
کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اگرچہ ہم نے آپ کو کئی
بار کہا بھی۔"

"ہم۔ میں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ تو۔ مجھ
پر حملے کرتے رہے ہیں۔"

"پتا نہیں۔ کیا چکر ہے۔ اب پولیس کو بھی فون کرنا
پڑے گا۔"

"اور ریاست ثوبان سے بھی رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔"

"لیکن۔ ہم وہاں کس سے بات کریں گے۔ یہ تو بالکل
احمقانہ بات ہوگی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تب پھر۔ ہم کیا طریقہ اختیار کریں۔" محمود نے اسے
گھورا۔

"تو یہاں کے اخبارات میں ایک اشتہار دیا جائے —
اشتہار میں مس الماس کو پیغام دیا جائے کہ ان کی بہن
مس روحانہ مل گئی ہیں — آپ یہاں چلی آئیں۔" یہ اشتہار
ضرور اس کی نظر سے گزرے گا — اور وہ یہاں آ جائے
گی — معمّا حل ہو جائے گا۔"

"ہوں — ترکیب بہت خوب صورت ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"شکر ہے اللہ کا — کہ میری ترکیب کو تم نے خوبصورت
بتایا۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن — مس الماس کو یہاں بلوانے کا کیا فائدہ — اب مس
روحانہ ہمارے پاس کہاں ہے — ہم انہیں روحانہ کہاں سے دیں
گے۔"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں — روحانہ صاحبہ کو اس گھر سے
اغوا کیا گیا ہے — ہم ان کا سراغ لگا ہی لیں گے — ایک
طرف ہم اشتہار دیں گے، دوسری طرف انہیں تلاش کریں
گے — فکر کی ضرورت نہیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"جو آپ کا جی چاہے کریں، لیکن میری پریشانی
میں اب بہت اضافہ ہو گیا ہے۔"

"ہاں! ہم محسوس کر رہے ہیں، لیکن مجبور ہیں — فی الحال
آپ کی پریشانی میں کمی نہیں کر سکتے — یہ بات ہمارے بس

میں نہیں ہے۔"

"ہوں!" ان کے منہ سے نکلا۔

اشتہار کا انتظام کرنے کے بعد وہ پھر مس روحانہ صاحبہ
کے کمرے میں داخل ہوئے — پولیس والے آ کر اپنی کارروائی مکمل
کر چکے تھے — انھوں نے کمرے کے ایک ایک انچ کا جائزہ
لیا، پھر کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھے — یہ کھڑکی باغ میں
کھلتی تھی — اس میں کبھی سلاخیں بھی تھیں، لیکن افضل
کاردار نے سلاخیں کٹوا دی تھیں —

"آپ نے سلاخیں کیوں کٹوائی تھیں؟"

"بیگم اکثر چکر لگا کر باغ میں جاتی تھیں — وہ باغ میں
گھومنے کی بہت شوقین ہیں — میں نے ان کی آسانی کے
لیے سلاخیں کٹوا دیں۔"

"اور آج اغوا کرنے والے اسی راستے سے انہیں اغوا
کر لے گئے۔"

"اب یہ کسے معلوم تھا۔" انھوں نے سرد آہ بھری۔

"کیا آپ کو یقین ہے — آپ ہم سے کچھ چھپا نہیں رہے؟"

"نہیں — آپ سے کیا چھپاؤں گا — تمام باتیں بتا چکا ہوں۔"

"اور کیا آپ کو رشید پر پورا اعتماد ہے؟"

"ہاں! بالکل۔"

"اچھی بات ہے۔ اب ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ ہم بہت جلد بیگم صاحبہ تک پہنچ جائیں گے، بشرطیکہ آپ نے ساتھ دیا۔"

"میں ہر طرح ساتھ دوں گا۔" انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"مسٹر رشید۔ ادھر آئیے۔"

"جی۔ میں حاضر ہوں۔"

"آپ اس گھر میں کیا کھیل کھیل رہے ہیں؟"

"میں۔ اور کھیل۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ سارا کھیل آپ کھیل رہے ہیں۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب کہ آپ کے پاس ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔" رشید نے تیز آواز میں کہا۔

"اور ثبوت پیش کیے بغیر تو ہم تم پر ہاتھ ڈالیں گے بھی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟" رشید پہلی بار چونکا۔

"مسٹر رشید۔ یہ آپ ہی تھے۔ جو کاردار صاحب پر حملے کرتے رہے ہیں۔"

"نہیں۔" رشید چلا اٹھا۔ اس کے ساتھ افضل کاردار بھی چلائے تھے۔

"یہ سچ ہے۔"

"آپ۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"ابھی بتاتے ہیں۔ آؤ فاروق۔ اسے قابو کرنا ہے۔ فرزانہ میک اپ اتارے گی اس کا۔" محمود نے جلدی سے کہا اور اس کی طرف لپکا۔ فاروق بھی فوراً حرکت میں آیا۔ ادھر رشید نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔

ایسے میں وہ فرزانہ کی ٹانگ ہی تھی جو اس کے آڑے آئی اور وہ منہ کے بل گرا۔

تم بتاؤ

دروازہ اندر سے بند کرنے کے بعد انھوں نے ایک ایک کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک آتش دان پر انھیں اس لڑکی کی تصویر نظر آ گئی۔ مگر وہ شادی کے جاس میں تھی۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔ انھوں نے فریم میں سے وہ تصویر نکال لی۔ اب انھوں نے دُوسرے کمروں کی طرف توجہ دی۔ ایک کمرے کی الماری میں انھیں چند فائلیں اور ڈائریاں نظر آئیں۔ ایک ڈائری میں سے ایک اور عورت کی تصویر ملی۔ وہ بھی شادی کے جاس میں تھی۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ مسکرا دیے تو نوجوان نے واقعی پولیس کو فون کر دیا تھا۔ وہ دروازے کی طرف آئے اور چٹخنی گرا دی —

"خبردار۔ تم فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔" پولیس انسپکٹر

نے گرج کر کہا۔

"جو لوگ دُوسروں کو دکھا کر کسی کے گھر میں داخل ہوں اور خود ہی اس بات کی اجازت دیں کہ بے شک پولیس کو بلا لیا جائے۔ وہ فرار نہیں ہوا کرتے۔ اگر میں چاہتا تو یہ نوجوان آپ کو فون کر ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن میں نے بلا وجہ اسے تکلیف نہیں دی۔ یہ میرا کارڈ ہے۔" یہ کہ کر انھوں نے کارڈ نکال کر انسپکٹر کے سامنے کر دیا۔ کارڈ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ۔ یہ آپ ہیں۔ لیکن سر۔ آپ کو اس طرح اس مکان میں گھسنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے پاس وقت کم تھا۔" وہ بولے۔

"لیکن۔ کیا یہ غیر قانونی نہیں ہے؟"

"خاص حالات میں نہیں۔ میرے پاس اس کا اجازت نامہ ہے۔ دُوسرا یہ کہ میں صاحب مکان سے مل کر معافی بھی مانگ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے سر۔ کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر نے کہا۔

"آپ اگر چاہیں تو اپنے اطمینان کے لیے میرا اجازت نامہ دیکھ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے نوجوان سے کہا۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں، میں آپ کو بہت اچھی

طرح جانتا ہوں اور اس وقت ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ سے ان عجیب حالات میں ملاقات ہوئی۔"

"شکریہ!"

کچھ اور ضروری چیزیں لے کر وہ وہاں سے رخصت ہوتے، دارالحکومت میں پہنچ کر افضل کاردار کی کوٹھی تلاش کرنا کچھ مشکل ثابت نہ ہوا، کیوں کہ پتا ان کے پاس تھا۔

انھوں نے گھنٹی بجائی ہی تھی کہ قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر ایک سیاہ فام آدمی نے دروازہ کھولا:

"جی فرمائیے!" اس نے دانت نکال دیے۔

"مجھے مسٹر افضل کاردار سے ملنا ہے۔"

"جی بہتر۔ اپنا کارڈ دے دیں۔ اور اندر ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیں۔"

"شکریہ" وہ بولے۔

جونہی انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر، ان کا کارڈ لے کر چلا گیا۔ جلد ہی انھوں نے بہت سے قدموں کی آواز سنی، چونک کر سر جو اٹھایا تو اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ ان کے سامنے محمود، فاروق اور فرزانہ بھی دوسروں کے ساتھ کھڑے تھے۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"یہی جملہ ہم بھی کہنا چاہتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر کہہ کیوں نہیں دیتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ویسے اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں کہ ہم آپ کو یہاں دیکھ کر بہت حیران ہیں۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ۔"

اوہ لیکن نہیں۔ آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ہم یہاں ہیں ورنہ آپ یہ نہ کہتے کہ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں تو یہاں مسٹر افضل کاردار صاحب سے ملنے آیا ہوں۔"

"لیکن کس سلسلے میں ابا جان؟" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"ایک بہت ہی اہم اور خوف ناک سلسلے میں۔"

"اوہ۔ میرا خیال ہے اب ہم سب کو یہاں بیٹھ جانا چاہیے۔ اور رشید کو بھی یہیں لے آنا چاہیے۔"

"رشید کون؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"مسٹر کاردار کا ملازم۔ جو کہ غدار بھی ہے۔"

"یوں بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میرا خیال ہے۔ یہاں کا معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بالکل۔ کم الجھے ہوئے معاملات ہماری قسمت میں کہاں۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"بھئی اگر کم الجھے ہوئے معاملات کے اتنے ہی خواہش مند

ہو تو انکل اکرام کے ساتھ جائے واردات پر چلے جایا کرو۔"
محمود نے تجویز پیش کی۔

"میرا خیال ہے۔ تم لوگ کسی رشید کی بات کر رہے تھے۔"

"اوہ ہاں! مسٹر جونی۔ تم ذرا رشید کو تو اٹھا لاؤ۔"
فاروق مسکرایا۔

"بہت بہتر۔" جونی نے کہا اور چلا گیا۔

جلد ہی وہ رشید کو کندھے پر لادے کمرے میں داخل
ہوا۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے تھے۔

"آپ پہلے اپنی کہانی سنائیں گے یا ہماری سنیں گے؟" محمود
بولا۔

"بہتر تو یہی ہے کہ پہلے تم یہاں کی سنا دو۔" انھوں نے
مسکرا کر کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ ہمارا کیا ہے۔ یہاں کی کہانی
تو بس اتنی ہے کہ افضل کاردار صاحب کی بہن رضوانہ
فرزانہ کی کلاس فیلو ہیں۔ انھوں نے ہم سے یہاں آنے
کی درخواست کی تھی۔ ہم یہاں آ گئے۔ معلوم ہوا کہ کاردار
صاحب کسی نامعلوم حملہ آور سے خوف زدہ ہیں۔ وہ نامعلوم
حملہ آور ان پر کئی مرتبہ حملہ کر چکا ہے، لیکن ہر بار
اس کا حملہ ناکام ہوتا رہا ہے، یہ نہیں جانتے کہ وہ

کیوں حملہ کرتا ہے۔ دل چسپ بات یہ کہ وہ ہمیشہ گھر
کے اندر حملہ کرتا رہا ہے۔ اس نے گھر سے باہر حملہ
کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ افضل کاردار صاحب نے اپنے
ملازم رشید کو ہدایت کی ہوئی تھی کہ بیرونی دروازہ ہر وقت بند
رکھا کرے، لیکن اس کے باوجود حملہ آور اندر داخل ہونے
میں کامیاب ہو جاتا رہا۔ یہاں تک کہ مسٹر کاردار نے
مسٹر جونی کو بطور باڈی گارڈ ملازم رکھ لیا۔ لیکن حملوں
کا سلسلہ بند پھر بھی نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ہماری موجودگی
میں بھی حملہ کیا گیا۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"جی ہاں! لیکن وہ حملہ بیگم صاحبہ پر کیا گیا تھا۔ اس
حملے کے فوراً بعد جب ہم نے بیرونی دروازے کو دیکھا
تو وہ کھلا ہوا ملا۔ رشید سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ
افضل کاردار صاحب تو دروازہ ہر وقت بند رکھنے کی
ہدایت کرتے ہیں اور بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ دروازہ کھلا رکھا
جائے۔"

"کیا!!" انسپکٹر جمشید چلائے، پھر بولے: "آخر کیوں؟"

"بیگم صاحبہ سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ سراسر الزام
ہے۔ ان حالات میں ہم نے بیگم صاحبہ کو کریدا، لیکن کوئی بات معلوم نہ کر سکے۔"

اس کے بعد محمود نے باقی ساری تفصیل سنانے کے بعد کہا:

"اور آخر ان حالات اور واقعات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ حملے رشید خود کرتا رہا ہے۔ ابھی ہم رشید کو قابو کر کے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے گھنٹی بجا دی۔ یہ ہیں کُل واقعات۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ کیا خیال ہے۔ اب میں اپنی کہانی سُنا دوں۔"

"ہم تو سننے کے لیے بہت بے چین ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر سُنیے۔ مجھے صدر صاحب نے بلایا تھا۔ وہاں انھوں نے میری ملاقات ایک ریاست کے سرپرست سے کرائی۔ سرپرست سے اس لیے کہ ریاست کا صدر فوت ہو چکا ہے۔ اور اپنی لڑکی کو ریاست کا والی بنا گیا ہے، لیکن اس وقت لڑکی چونکہ ابھی چھوٹی تھی، اس لیے وہ ایک با اعتماد آدمی کو سرپرست بنا گیا، چنانچہ میری اس سرپرست سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک بہت ہی خاص مسئلے کی بنا پر پریشان ہیں۔"

ان الفاظ کے بعد انھوں نے بھی ساری تفصیل دہرا دی، پھر اپنی کارروائی بتانے لگے:

"میں نے جب سرپرست صاحب کی دی ہوئی تصویر کو غور سے دیکھا تو محسوس ہوا کہ اس لڑکی کی تصویر کو میں کہیں دیکھتا رہا ہوں۔ لہٰذا میں نے لائبریری کا رُخ کیا، اخبارات کی فائلیں دیکھیں۔ اور یہ حیرت انگیز بات معلوم ہوئی کہ اس لڑکی کی تصاویر ہمارے ملک کے اخبارات میں شائع ہوتی رہی تھیں۔ کسی صاحب کو وہ لڑکی مل گئی تھی۔ لہٰذا وہ اس کی تصاویر شائع کرا رہے تھے۔ کہ جس کسی کی وہ ہو لے جائیں۔"

"اوہ۔ اوہ!" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا، اور ان کی نظریں افضل کاردار کی طرف گھوم گئیں۔

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے۔ وہ یہی تھے۔ جنھوں نے تصاویر شائع کرائی تھیں۔ اور اشتہارات میں اپنا پتا بھی دیا تھا، چنانچہ میں راجا آباد گیا۔ ان کے پتے پر پہنچا۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ پڑوسی سے معلوم کیا تو اس نے بتایا، یہ ان دنوں دارالحکومت میں رہتے ہیں۔ رخصت ہونے سے پہلے میں نے مناسب خیال کیا کہ مکان کو اندر سے بھی دیکھ لیا جائے۔ شاید کوئی کام کی چیز مل جائے، چنانچہ میں تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔"

"تت۔ تالا کھول کر۔ آپ کے پاس چابی کہاں سے

آ گئی؟" افضل کاردار نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمارے پاس کچھ چابیاں ہوتی ہیں۔ ہم ان کی مدد سے تالے کھول لیتے ہیں۔ خیر۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ وہاں مجھے ایک آتش دان پر اس لڑکی کی تصویر مل گئی۔ یہ رہی وہ تصویر۔"

انھوں نے تصویر نکال کر ان کے سامنے رکھ دی۔ وہ بیگم کاردار کی ہی تھی۔

"جی ہاں۔ یہ انھی کی ہے۔" محمود نے کہا۔

"شکریہ۔ اب تم لوگوں نے بتایا ہے کہ ان کی بیگم کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید پریشان ہو کر بولے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"تب پھر۔ رشید سے معلوم کیا جائے گا۔ جس نے بھی انھیں اغوا کیا ہے۔ اس نے ہی رشید کو یہاں مقرر کیا ہو گا۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" یہ کہہ کر وہ رشید کی طرف بڑھے۔

"ن۔ نہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" رشید نے کانپ کر کہا۔ کیوں کہ انسپکٹر جمشید کے تیور بہت سخت تھے۔

"تب پھر تم۔ افضل صاحب پر حملے کیوں کرتے رہے؟"

چلو یہ بتا دو۔"

"م۔ میں۔ میں دراصل ایک شخص کا غلام ہوں۔"

"کیا کہا۔ غلام۔ کیا بات کرتے ہو بھئی۔ غلام اس دور میں کہاں ہوتے ہیں۔ اب وہ زمانے نہیں رہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"آپ کو نہیں معلوم۔ اب بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں، جو دوسروں کو غلام بنانے کا فن جانتے ہیں۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"میرا خیال ہے۔ اب مجھے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ بتا ہی دینا ہو گا۔" وہ بڑبڑایا۔

"نیک خیال ہے۔ اتنا نیک کہ شاید پہلے کبھی تمھیں اتنا نیک خیال نہیں آیا ہو گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"فاروق۔ تم چپ رہو۔" محمود نے جل کر کہا۔

"کیوں۔ خاص طور پر میں کیوں چپ رہوں۔"

"اوہو۔ ٹھہرو بھئی۔ بات مکمل کرنے دو اسے۔ ہاں رشید۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"میں ایک بلیک میلر کے قبضے میں ہوں۔ اس کے قبضے میں میرے کچھ راز ہیں۔ ان رازوں کو اگر وہ پولیس کے سامنے ظاہر کر دے تو کم از کم عمر قید کی سزا ضرور ہو

گی مجھے۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! بات ہے تو اتنی ہی۔"

"خیر۔ اس کا نام بتاؤ۔ وہ تم سے کیا کام لے رہا تھا، اس کی بھی تفصیل سناؤ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"عرض کرتا ہوں۔ اس کا نام آرام بیگ ہے۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"خیر تو ہے ابا جان۔ کیا اس آرام بیگ کو آپ جانتے ہیں۔"

"ہاں! بہت تیز طرار اور چالاک آدمی ہے۔ ہمیشہ پولیس سے بچا رہتا ہے۔"

"تب پھر میں اس سے ملاقات کر کے اسے ایک مشورہ دوں گا۔" فاروق بولا۔

"کیسا مشورہ؟" انسپکٹر جمشید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کہ وہ بہت بے آرام پھر لیا۔ اب کچھ اپنے نام کی لاج رکھے اور آرام کرے۔"

"اچھا مشورہ ہے۔ لیکن تم درمیان میں دخل دے کر مزا خراب کر دیتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا۔ اس کہانی میں آپ کو مزا بھی آ سکتا ہے۔"

"یار چُپ بھی رہو۔ ہاں رشید۔ تو تم بے آرام کے شکنجے میں ہو۔ وہ اس گھر میں تم سے کیا کام لیتا ہے؟"

"اس نے ایک سال پہلے اس گھر میں مجھے ملازمت کرنے کا حکم دیا تھا۔ سو میں نے ملازمت کر لی۔ پھر اس نے یہ عجیب حکم دیا کہ ایک نقاب کا انتظام کروں۔ اور اس نقاب کو پہن کر وقتاً فوقتاً کاردار صاحب پر خنجر سے حملے شروع کر دوں، لیکن اس طرح کہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ بس وہ خوف زدہ رہیں؛ چنانچہ میں ایسا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ کاردار صاحب راجا آباد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن یہاں آ کر بھلا ان کا پیچھا اس حملہ آور سے کیسے چھوٹ سکتا تھا۔ وہ تو ان کے ساتھ ہی رہ رہا تھا۔ لہٰذا یہاں بھی حملوں کا پروگرام جاری رہا۔"

"لیکن۔ اس مرتبہ تم نے بیگم صاحبہ پر کیوں حملہ کیا؟" محمود نے کہا۔

"آرام بیگ کی طرف سے اس کی ہدایت ہی تھی۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"آرام بیگ کا پتا بتاؤ۔"

"اگر میں اس کا پتا جانتا ہوتا۔ تو نہ جانے کب کا اسے ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔ اس نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔" اس نے غصے میں آ کر کہا۔

"تب وہ تم سے کام کیسے لیتا رہا ہے؟"

"آج کل تو فون کے ذریعے بات کر لیتا ہے۔ پہلے اس کے رقعے ملا کرتے تھے۔"

"ہوں۔ مسٹر افضل کاردار۔ کیا آپ کا بھی آرام بیگ سے کوئی تعلق ہے۔"

"جی۔ نہیں۔ پہلی بار اس کا نام سن رہا ہوں۔"

"عجیب بات ہے۔ آپ پہلی بار اس کا نام سن رہے ہو، اور وہ آپ پر ایک سال سے فرضی حملے کرا رہا ہے۔ آخر کیوں، وہ آپ کو خوف میں کیوں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔"

"پپ۔ پتا نہیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"نہیں مسٹر افضل کاردار آپ بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب۔" افضل کاردار زور سے چونکا۔

"آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ لیکن بتا نہیں رہے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" افضل کاردار کا رنگ اڑ گیا۔

"بہتر یہی ہے کہ ساری بات صاف صاف بتا دیں۔ یہ معاملہ اتنا چھوٹا سا نہیں ہے۔ بہت بڑا معاملہ ہے۔ اتنا بڑا کہ آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"اس بات کا اندازہ وہ لوگ فوراً لگا سکتے ہیں۔ جو ریاست ثوبان کی اہمیت کو جانتے ہیں۔"

"کک۔ کیا مطلب۔ تت۔ تو کیا بیگم کاردار دراصل ریاست ثوبان کی شہزادی ہیں؟"

"شہزادی تو پہلے تھیں۔ اب تو وہ اس ریاست کی حکمران ہیں۔"

"اُف مالک۔ یہ۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" افضل کاردار نے کانپ کر کہا۔

"اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ بیٹھے بٹھائے ایک ریاست کے مالک بن گئے آپ، آخر اب وہ آپ کی بیوی ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مجھے اتنی بات معلوم ہے۔ بتائے دیتا ہوں۔"

"ضرور۔ لیکن ذرا جلدی کریں۔ ہمیں شہزادی صاحبہ کو تلاش بھی کرنا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"جب میں نے اخبارات میں اشتہارات دیے۔ کہ اس

طرح مجھے ایک نوجوان لڑکی سڑک کے کنارے ملی ہے۔
جن صاحب کی ہو۔ آ کر لے جائیں۔ تو کوئی بھی مجھ تک
نہ پہنچا۔ میری ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ انھی دنوں خود میری
بیوی ایک رات گھر سے غائب ہو گئی۔"

"کیا کہا۔ آپ کی بیوی؟"

"ہاں، اس لڑکی کے ملنے سے پہلے میں شادی کر چکا
تھا۔ میری بیوی اچانک غائب ہو گئی۔ ساتھ ہی مجھے کسی
نامعلوم آدمی نے فون پر کہا کہ اس لڑکی سے شادی کر
لو۔ اگر شادی نہ کی تو تمھاری بیوی کو گولی مار دی جائے
گی۔ ان دھمکیوں نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔ اور میں نے
اس سے شادی کر لی۔ اپنی بہن رضوانہ کو سمجھا دیا کہ اس
راز کو کسی پر ظاہر نہ کرے۔ پھر میں اس شہر میں آ
گیا۔ اور یہاں رضوانہ کی ملاقات فرزانہ سے ہوئی۔ رضوانہ
نے اس کے بارے میں مجھے بتایا۔ میں نے سوچا۔ شاید
آپ لوگ ہی مجھے اس چکر سے نکال سکیں، اور میں نے
رضوانہ کو ہدایت کی کہ آپ لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت
دے۔ یہ ہے کُل کہانی۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے

"جی نہیں۔ کُل کہانی اب بھی آپ نے نہیں سنائی۔ اس
میں سے کافی کچھ چھپا گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" محمود، فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ بولے،
ادھر افضل کاردار کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"مسٹر افضل کاردار۔ بعض باتیں بہت عجیب ہوتی ہیں۔
اور تکلیف دہ بھی۔ آپ کے رابا آباد والے گھر سے مجھے کچھ
پرانی چیزیں اور پرانی تصاویر ملی ہیں۔ کسی زمانے میں
آپ ایک جرائم پیشہ آدمی تھے۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ اچھل پڑے۔ باقی لوگوں کی آنکھیں بھی
حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"آپ کے انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں دعوے سے
کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے ہی بیرونِ ملک جا کر ریاست
ثوبان کی شہزادی کو اغوا کیا تھا۔ آپ دراصل اغوا کے
بہت ماہر ہیں۔ اب ذرا یہ بتا دیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا
اور آپ کی پہلی بیوی کہاں ہے؟"

"ہاں! اب میں بتاؤں گا۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ لیکن
میں اصل بات آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ اب چھپانے کا
کوئی فائدہ بھی تو نہیں رہا۔ یہ ٹھیک ہے۔ میں ایک جرائم پیشہ
تھا۔ اور اغوا کرنے کا ماہر خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن ایک
روز میری اپنی بیوی کو اغوا کر لیا گیا اور اغوا کرنے والوں
کی طرف سے ہدایات ملیں کہ میں بیرونِ ملک جا کر ریاست

ثوبان کی شہزادی کو اغوا کر لوں اور یہاں لے آؤں۔ میں
مجبور تھا۔ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میری بیوی کو انھوں
نے اغوا کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے بتائے ہوئے راستے
سے میں وہاں پہنچا۔ شہزادی کو اغوا کیا اور اسی راستے سے
یہاں لے آیا۔ اب پھر ان کی طرف سے ہدایات ملیں کہ
شہزادی سے شادی کر لو۔ ورنہ تمھاری بیوی کو موت کے
گھاٹ اتار دیں گے۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ میری بیوی
کو نہیں لوٹائیں گے۔ کئی دن تک میں پریشان رہا۔ اور
پھر میں نے شہزادی سے شادی کر لی۔ لیکن ان لوگوں
نے پھر بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ مسلسل مجھے خوف زدہ کرتے
رہے۔ بس ان کا مطالبہ صرف اتنا تھا کہ میں شہزادی
کی حقیقت کسی کو نہ بتاؤں۔ اور اب میں پہلی بار یہ باتیں
بتا رہا ہوں۔ اس بات کا یقین مجھے پہلے ہی ہو گیا
تھا کہ انھوں نے میری بیوی کو پہلے روز ہی موت کے
گھاٹ اتار دیا تھا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ ہر کوئی
سوچ میں گم ہو چکا تھا۔ الجھن اب بھی جوں کی توں
موجود تھی۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز کانوں سے ٹکرائی:
"میرا خیال ہے۔ اس بار کی کہانی سچ ہے، لیکن سوال

یہ ہے کہ اب انھیں شہزادی کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت پیش
آ گئی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ ریاست
ثوبان کے سرپرست سردار عارف نے مجبوراً اپنی بیٹی کو
حکمران بنا دیا۔ وہ اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے تھے،
لیکن سازشیوں نے یہ بات اچھالنا شروع کر دی۔ کہ
سردار عارف نے شہزادی کو نہیں۔ اپنی بیٹی کو حکمران بنا
دیا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شہزادی کو پہلے ہی
غائب کر دیا گیا ہے، کیوں کہ اگر وہ موجود ہوتی تو ان کا
بھانڈا نہ پھوڑ دیتی۔ کہ شہزادی تو دراصل میں ہوں۔ ان
کے ان اعتراضات کا سردار عارف کے پاس بس ایک ہی حل
تھا، یہ کہ شہزادی کو تلاش کروائیں اور عوام کے سامنے پیش
کر دیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ یہاں آئے۔ سازشیوں
کو اس کا بھی پتا چلا گیا۔ اور اس خوف کے پیش نظر
شہزادی کو غائب کر دیا۔ تاکہ اگر ہم افضل صاحب تک پہنچ
بھی جائیں۔ تب بھی۔ شہزادی کو تلاش کر کے نہ دے سکیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں ہر حال میں شہزادی
کو تلاش کرنا ہے۔ تاکہ سردار عارف صاحب اس کو عوام کے
سامنے پیش کر دیں اور اپنی بیٹی کو تخت سے اتار دیں۔ اس
طرح عوام مطمئن ہو جائیں گے اور سازشیوں کی سازش ناکام

ہو جائے گی ۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو ریاست کے عوام سر
حارث اور اس کی بیٹی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے ، ادھر
دشمن ملک ریاست کے معاملات میں دخل دینے کی کوشش
کرے گا ۔ اس کی دخل اندازی کو روکنے کے لیے ہمارے
ملک کی افواج کو حرکت میں آنا پڑے گا ۔ اور پھر کچھ او
ملک بھی حرکت میں آ جائیں گے ۔ اور اس طرح ایک بڑ
جنگ چھڑ جائے گی جو کہ عالمی جنگ بھی ہو سکتی ہے ۔
لہٰذا اس شہزادی کی تلاش بہت ضروری ہے۔"

"حیرت ہے ۔ یہ سازشی لوگ بھی کس کس طرح گھماؤ پھر
کر کے سازشیں کرتے ہیں ۔ ریاست کے امن کو تباہ کر
کے لیے خود ہی شہزادی کو اغوا کرایا اور اب خود ہی
پر الزام لگا رہے ہیں کہ انھوں نے شہزادی کو اغوا کر
ہے ۔ تاکہ اپنی بیٹی کو حکومت سونپ سکیں ۔ اور اس سا
سازش میں ہمارے دشمن پڑوسی ملک کا ہاتھ ہے ۔ وہ
ریاست کو ہڑپ کرنے کے خواب بہت دنوں سے دیکھ
ہے۔"

"کہانی تو ہو گئی ختم ۔ اب شہزادی کی تلاش کیوں
شروع کر دی جائے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں بالکل ۔ مسٹر رشید ۔ اگر تمھیں مسٹر آرام بیگ کا

ہے تو بتا دو ۔ ورنہ تلاش تو ہم اسے ویسے بھی کر لیں گے۔"
محمود نے کہا۔

"افسوس ! میں نہیں جانتا اس کا پتا ۔ میں پہلے ہی کہ
چکا ہوں۔"

"خیر ۔ آرام بیگ کا حلیہ تو بتا ہی سکتے ہیں۔" فرزانہ نے
اسے گھورا ۔

"افسوس نہیں ۔ وہ شخص میرے سامنے کبھی آیا ہی نہیں،
یک میل اگر یہ احتیاط نہ کریں تو کامیاب کیسے ہوں۔"

"ہوں ۔ خیر ۔ آؤ بھئی ۔ ہم خود ہی تلاش کر لیں گے،
ور ان اکرام کو بھی فون کرنا ہو گا ۔ آخر مسٹر رشید کو بھی اب
رکاری مہمان بننا ہے۔"

اور وہ باہر کی طرف چل پڑے ۔

"ہاں ! فرزانہ ۔ اب تم بتاؤ ۔ ہم آرام بیگ تک کس طرح
ہیں ۔" کار میں بیٹھتے ہی انسپکٹر جمشید بولے ۔

عقل کا سفر

"جی ۔ کیا فرمایا ۔ میں بتاؤں" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ! تم ۔ اور کون بتائے گا ۔ ترکیبوں کی پٹاری ہو
سے کوئی ترکیب نکال لو" فاروق مسکرایا۔

"ہمیں حالات اور واقعات کا جائزہ لے کر یہ سوچنا ہو
گا کہ آرام بیگ کہاں ہے ۔ شہزادی کو اس نے کہاں رکھا
ہو گا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان ۔ بھلا یہ بات ہم حالات اور واقعات کا
جائزہ لے کر کس طرح جان سکتے ہیں"

"بھئی عقل سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں ۔
کون سی ایسی بڑی بات ہے"

"اچھی بات ہے ۔ تب پھر ہم عقلیں لڑا لیتے ہیں" فرزانہ
بے چارگی کے عالم میں بولی ۔

"لیجیے ۔ بے چاری عقلوں کو لڑانے پر اتر آئی" فاروق

نے منہ بنایا۔

"بس ڈر گئے ۔ عقلوں کو لڑانے سے ڈر گئے ۔ خود لڑنا پڑ
گیا تو کیا ہو گا" محمود نے کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ۔ آج تک مجھے لڑنے
کا اتفاق ہی نہیں ہوا"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں"

"تمہارے سمجھنے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا"

"بھئی ۔ پہلے کام کی بات"

اور وہ سوچ میں گم ہو گئے ۔ انسپکٹر جمشید نے گاڑی
آگے نہیں بڑھائی تھی ۔

"پہلی بات تو یہ کہ شہزادی کو اس گھر سے اغوا کیا گیا
ہے ۔ اغوا کرنے والوں نے پہلے پروگرام طے کیا ہو گا ۔
آخر وہ اتنی آسانی سے کس طرح انہیں لے گئے ۔ جب کہ
گھر کے افراد سو بھی نہیں رہے تھے"

"بہت خوب ۔ آخر تم وہاں تک پہنچ ہی گئیں ۔ جہاں
تک میں تمہیں لے جانا چاہتا تھا" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر
بولے ۔

"ل ۔ لیکن ہم تو کہیں بھی نہیں گئے" فاروق بوکھلا گیا۔

"بھئی یہ عقل کے سفر کی بات ہے ۔ تمہاری سمجھ میں

"نہیں آنے گی" محمود مسکرایا۔

"لیکن میری سمجھ میں ایک چھوٹی سی بات ضرور آ رہی ہے" فاروق نے کہا۔

"اور وہ کیا؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"یہ کہ ہم نے رشید کی باتوں پر اعتبار کر کے غلطی کی ہے۔ شہزادی کے اغوا میں اس سے ضرور مدد لی گئی ہے۔ لہذا وہ بہت کچھ بتا سکتا ہے"

"بالکل ٹھیک۔ دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا۔ عقل سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا ہم واپس چلیں۔ اور رشید سے دوبارہ سوالات کریں"

"نہیں۔ اکرام اسے گرفتار کرنے کے لیے آنے ہی والا ہوگا۔ بس ہم اسے ایک اشارہ کریں گے"

جلد ہی انھوں نے اکرام کو آتے دیکھا۔ انسپکٹر جمشید نے منہ سے مخصوص آواز نکالی۔ اکرام چونک اٹھا اور پھر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کا انتظار" فاروق نے فوراً کہا۔

"فرمایئے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں"

"جس شخص کو گرفتار کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ وہ پولیس اسٹیشن تک پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو جائے" انھوں نے کہا۔

"جی۔ کیا فرمایا" اکرام چونکا۔

"بس بھئی۔ سمجھا کرو"

"جی سمجھ گیا۔ تو پھر اسے فرار ہونے کا موقع نہیں کیوں نہ دے دیا جائے"

"اس طرح اسے شک ہو جائے گا"

"اوہ اچھا۔ آپ فکر نہ کریں"

اکرام اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کچھ دور ہٹ آئے۔ اور ایک ایسی جگہ کھڑے ہو گئے جہاں سے رشید انھیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

پھر اکرام کے ماتحت رشید کو لے کر نکلے۔ اور جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئے۔ رشید کے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی۔

"یہ بے چارہ کس طرح فرار ہوگا۔ ہاتھ میں تو ہتھکڑی ہے اس کے"

"بس۔ دیکھتے جاؤ" وہ بولے۔

انھوں نے بہت زیادہ فاصلہ رکھ کر تعاقب شروع کر دیا۔ ایک نسبتاً کم آباد سڑک پر پولیس جیپ رک گئی۔ اکرام اتر کر انجن کی طرف گیا۔ دو کانسٹیبل بھی اتر کر

اس کی طرف گئے۔ میں اسی وقت انھوں نے رشید کو جیپ
سے چھلانگ لگاتے دیکھا اور پھر وہ درختوں کی طرف بھاگا،
کانسٹیبل بھی بھاگے، لیکن ان کی رفتار اس کے مقابلے میں
بہت کم تھی۔

انھوں نے فوراً اپنی گاڑی روک دی۔ اور اتر کر درختوں
میں داخل ہو گئے۔ اب وہ درختوں کی اوٹ لے کر رشید
کا تعاقب کر رہے تھے۔ جلد ہی کانسٹیبل بہت پیچھے رہ
گئے۔

"اب اگر یہ کسی سڑک پر نکل کر ٹیکسی وغیرہ میں سوار
ہو گیا تو؟" فاروق نے کہا۔

"تو کیا۔ ہم بھی کسی ٹیکسی میں سوار ہو جائیں گے۔"
محمود نے منہ بنایا۔

"جیپ کے بجائے ٹیکسی کے ذریعے تعاقب بہتر رہے
گا۔" فرزانہ بولی۔

درختوں سے نکل کر رشید سڑک پر آ گیا، لیکن اس نے
کسی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ نہیں کیا۔ پیدل ہی چلتا رہا۔
یہاں تک کہ ایک گلی میں داخل ہو گیا۔

"تھکا دیا اس نے تو پیدل چل چل کر۔" فاروق نے منہ
بنایا۔

ادھر رشید نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی۔
چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور رشید اندر داخل ہو گیا۔

"اب کیا کیا جائے۔ کیا وہ آرام بیگ کے پاس آیا
ہے؟"

"نہیں۔ ہو سکتا ہے۔ یہ اس کا اپنا گھر ہو۔ اور فی الحال
وہ یہ اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ اس کا کوئی تعاقب تو نہیں
کر رہا۔ آؤ۔ اب ہم سڑک پر کسی ٹیکسی کا بندوبست
کر لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

سڑک پر آ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

"جی۔ کس طرف چلنا ہے؟"

"ابھی تو کہیں بھی نہیں چلنا۔ بس یہاں ہی کھڑے رہیں۔"
فاروق بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے منہ بنایا۔

"دراصل ہم ایک شخص کا تعاقب کریں گے۔ وہ ابھی
گلی سے نکل کر کسی ٹیکسی میں بیٹھے گا۔"

"اوہ۔ لیکن جناب۔ میں ایسے کسی جھگڑے میں نہیں پڑنا
چاہتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"تمھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا تعلق پولیس سے
ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا۔ آخر کافی دیر بعد رشید باہر نکلتا نظر آیا۔ وہ پُر سکون انداز میں چل رہا تھا، پھر اس نے ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا:

"ہوشیار بھئی۔ ہمیں اس ٹیکسی کا تعاقب کرنا ہے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا۔

اور پھر تعاقب شروع ہو گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کافی ہوشیار تھا۔ اس نے رشید یا اگلے ڈرائیور کو تعاقب کا شک نہیں ہونے دیا۔ اور آخر ایک گھنے جنگل کے نزدیک اگلی ٹیکسی رک گئی۔ رشید اترتا نظر آیا۔ انھوں نے بہت دور ٹیکسی روک لی تھی۔ اس قدر دور کہ رشید نہ تو ٹیکسی کو دیکھ سکتا تھا اور نہ انھیں۔ پھر ٹیکسی واپس مڑتی نظر آئی۔ اور شہر کی طرف چلی گئی۔ رشید کچھ دیر تک تو ٹیکسی کی طرف دیکھتا رہا، پھر مڑا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔

اب انھوں نے درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو انھوں نے وہیں رکنے کی ہدایت کی تھی۔

رشید کافی دیر تک جنگل میں چلتا رہا۔ پھر درختوں میں گھرے ایک مکان پر ان کی نظریں پڑیں۔ رشید اس

مکان میں داخل ہو گیا۔ وہ بھی مکان تک پہنچ گئے۔ اس کا دروازہ بند تھا:

"اب اندر کس طرح داخل ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔ انھیں ہماری موجودگی کا کانوں کان پتا نہ چلے۔"

"یہ خدمت میرے سپرد کر دیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اجازت ہے۔"

فاروق ان سے الگ ہو کر مکان کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑے رہے۔ جلد ہی انھیں فاروق کی طرف سے اشارہ ملا۔ انھوں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ اندر فاروق کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ دبے پاؤں آگے بڑھے۔ ایک کمرے سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ نزدیک پہنچنے پر انھوں نے سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا:

"میں پھر بھی یہی کہوں گا رشید۔ تمھیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"بے فکر رہیے مسٹر آرام بیگ۔ میرا تعاقب نہیں کیا گیا۔ میں نے ہر طرح اطمینان کر لیا تھا۔ یہاں آنا اس لیے ضروری سمجھا۔ کہ آپ کے حالات کی اطلاع دے دوں۔ اب انسپکٹر جمشید شہزادی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔"

"پروا نہ کرو۔ ان کے فرشتے بھی یہاں نہیں پہنچ سکتے۔"
"اور میں نے انھیں بڑی مزے دار کہانی سنائی۔ یہ کہ آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔"
"ہوں ٹھیک ہے۔ ہمیں اب باس سے اپنا معاوضہ لینا ہے اور یہاں سے غائب ہو جانا ہے۔ اب ہمیں ایک مدت تک کسی کو بلیک میل نہیں کرنا پڑے گا۔ باس سے بڑی رقم ملے گی۔"
"آپ باس کے پاس کب جائیں گے؟"
"ابھی اور اسی وقت۔ اب اگر تم یہاں آ ہی گئے ہو تو یہیں ٹھہرو۔ اور شہزادی کا خیال رکھو۔"
"بہت بہتر۔"
چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور پھر آرام بیگ اور رشید دھک سے رہ گئے۔ ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔
"میں نے کیا کہا تھا رشید۔" آرام بیگ رشید کی طرف گھوم گیا۔ لیکن یہ اس کی ایک چال تھی۔ گھومتے ہی اس نے پستول نکال لیا۔

"خبردار! ہاتھ اُوپر اُٹھا دو۔ تم نے غلطی کی۔ اپنے ہاتھ میں ایک پستول تو لے لیا ہوتا۔" آرام بیگ نے چہک کر کہا۔
"بھئی۔ تم جیسوں کے لیے ہم نے پستول کی ضرورت کبھی نہیں محسوس کی۔" محمود مسکرایا۔
"اچھا تو پھر پہلے تم ہی جاؤ۔" یہ کہتے ہی اس نے محمود کی طرف ایک فائر جھونک دیا، لیکن وُہ تو پہلے ہی تیار تھا، یک دم لڑھک گیا۔ دُوسرے فائر کا موقع دینا انسپکٹر جمشید نے مناسب نہیں سمجھا، چنانچہ انھوں نے فوراً ایک چھلانگ اس پر لگائی۔ اس نے ٹریگر دبانے کی پوری کوشش کی، لیکن اس سے پہلے انسپکٹر جمشید کے پاؤں اس کے سینے پر لگے اور وُہ کمر کے بل دھڑام سے گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ان کی دو ہی لاتیں اسے بے حس و حرکت کر گئیں۔ رشید بُت بنا کھڑا رہا۔
"تمھارا کیا ارادہ ہے بھئی؟" فاروق نے پُوچھا۔
"م۔ میں۔ میں کیا کہوں؟"
"تو پھر ہاتھ اوپر اٹھا دو اگر کچھ کہنے کا ارادہ نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔
ان دونوں کو باندھ کر وُہ مکان کے اندرونی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں بیگم کار دار رسیوں سے بندھی پڑی

تھی۔ اور اس کے منہ پر بھی ٹیپ چپکا دی گئی تھی۔
اس کے منہ پر سے ٹیپ اتاری گئی۔ رسیاں کھولی گئیں،
ایسے میں فاروق نے کہا ،
"شہزادی صاحبہ۔ آپ کو مبارک ہو۔"
"شہزادی صاحبہ۔ کیا مطلب؟"
"بس بس۔ اب زیادہ یادداشت کھو جانے کا ڈراما نہ
کریں۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ ریاست ڈوبان
کی شہزادی ہیں۔"
"اوہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"
"جو ہم کہہ رہے ہیں۔ وہی بات ہے۔ سردار عارف
صاحب آپ کے سلسلے میں بہت پریشان ہیں۔ ریاست کے
حالات بہت نازک ہیں۔ سازشی ان پر الزام لگا رہے
ہیں کہ انھوں نے شہزادی کو موت کے گھاٹ اتروا دیا
ہے اور اپنی بیٹی کو حکومت سونپ دی ہے۔"
"اوہ۔ تو وہ ایسا کہہ رہے ہیں۔" شہزادی نے حیرت زدہ
انداز میں کہا۔
"جی ہاں! آخر آپ کو افضل سردار کے ساتھ رہنے کی
کیا ضرورت تھی۔ آپ اپنا راز بتا کر اپنی ریاست میں
جا سکتی تھیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"نہیں جا سکتی تھی۔ قدم قدم پر ان لوگوں کے جال
بنے ہوئے تھے۔ جوں ہی افضل صاحب کے گھر سے
نکلتی مار ڈالی جاتی۔"
"لیکن آپ کسی طرح ریاست تک اپنا پیغام تو پہنچا
سکتی تھیں۔"
"اس میں بھی خطرہ تھا۔ سازشی لوگ پیغام نہ
پہنچنے دیتے۔ بلکہ کوئی اور انتقامی کارروائی کر گزرتے،
جب تک ریاست کے حالات خطرناک صورت اختیار نہ
کر لیتے۔ اس وقت تک میں نے افضل صاحب کے
گھر میں ہی رہنا منظور کر لیا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے
کہ۔ اس شخص کی بیوی میری وجہ سے ہی چھین گئی تھی،
اور موت کے گھاٹ اتاری گئی تھی۔ لہذا میرے ضمیر نے
بھی یہی فیصلہ دیا تھا کہ میں اب اس کے ساتھ ہی
رہوں گی۔"
"اور اب۔ اب آپ کا کیا خیال ہے؟"
"اب آپ کہہ رہے ہیں کہ ریاست کے حالات بہت
خطرناک ہیں۔ ان حالات میں مجھے وہاں جانا ہوگا۔
لیکن میں جلد ہی افضل سردار کے ساتھ لوٹ آؤں
گی۔"

"گویا آپ افضل صاحب کو ساتھ لے کر جائیں گی؟"

"نہ صرف انھیں ۔ بلکہ آپ کو بھی۔"

"تو پھر چلیے ۔ اب ہم چلنے کے لیے تیار ہیں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے راستے کے تمام روڑے صاف کر دیے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں ۔ مجھے ایسا کوئی یقین نہیں ۔ لیکن ہم یہاں سے نکلنے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی ۔ ویسے آپ لوگوں نے اب تک اپنا تعارف نہیں کرایا ۔ اگرچہ میں ان لوگوں سے آپ کی گفت گو سنتی رہی ہوں۔"

انھوں نے جب اپنے نام بتائے تو شہزادی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔

اب وہ وہاں سے چلے ۔ انسپکٹر جمشید نے پستول ہاتھ میں لے لیا ۔ آرام بیگ اور رشید ہاتھ اوپر اٹھائے ان کے آگے چلنے لگے ۔ ٹیکسی یہاں سے کافی دور تھی ۔ اس لیے ابھی انھیں اس حالت میں کافی دیر تک چلنا تھا ۔

"ہم ۔ میں خوف محسوس کر رہی ہوں۔" شہزادی بڑبڑائی ۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے

کہا ۔

"کاش ۔ میرے ریاست میں جانے سے حالات ٹھیک ہو جائیں۔"

"امید تو یہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"کیا آپ خود سردار عارف سے ملے تھے؟"

"ہاں ! وہ ہمارے ملک میں ہی آئے ہوئے ہیں ۔ لیکن خفیہ طور پر ۔ ہم سیدھے انھی کے پاس جائیں گے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" شہزادی نے سکون کا سانس لیا ۔

"ایک سوال کروں شہزادی صاحبہ۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا ۔

"ضرور ۔ کیوں نہیں۔"

"اسلام عورت کو حکمران بنانے کی اجازت نہیں دیتا ، آپ کے والد نے اس اسلامی پہلو پر غور کیے بغیر حکمرانی آپ کو سونپ دی ۔ شاید ان کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا ۔ لیکن اس صورت میں کوئی اور مناسب آدمی مقرر کیا جا سکتا تھا۔"

"میں اس پہلو پر غور کروں گی ۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی ۔ آپ فکر نہ کریں ۔ مجھے حکومت کی کوئی خواہش

"نہیں۔ میں تو چاہتی ہوں۔ ہماری ریاست آزاد رہے۔"

"ان شاء اللہ۔"

عین اسی وقت جنگل میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ گولی انسپکٹر جمشید کے سر کے بالوں کو چھوتی گزر گئی۔

جہنم کا مزا

وہ سب یک دم زمین پر گر گئے اور درختوں کی اوٹ میں چلے گئے۔ دوسری طرف سے زور شور سے فائرنگ شروع ہو گئی، لیکن درختوں کے پیچھے ہونے کی وجہ سے گولیاں انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی تھیں۔ چند منٹ تک دھواں دھار گولیاں برستی رہیں، پھر انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا:

"یہ ہمیں گھیرے میں لینے کی سازش ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"ہم اس طرف متوجہ رہیں گے۔ اور ان کے کچھ ساتھی ہماری پچھلی طرف آ جائیں گے۔ اس وقت یہ لوگ ہمیں آسانی سے زد پر لے سکیں گے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر۔ کیا کریں؟"

"ہم پہلے ہی پیچھے ہٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ تاکہ ان کے گھیرے میں نہ آ سکیں۔"

"ہوں۔ اچھی ترکیب ہے۔"

"لیکن۔ ان کا کیا کریں؟" محمود نے رشید اور آرام بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"انھیں یہیں چھوڑنا پڑے گا۔ ان کی وجہ سے ہم بھی نہ مارے جائیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

ان دونوں کو رسیوں سے باندھ کر وہیں چھوڑ دیا گیا اور وہ خود پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ گولیوں کی آوازیں اب کم ہو گئی تھیں۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے میرا خیال غلط تھا۔ اس طرف کسی کی موجودگی کے آثار نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"چلیے اچھا ہی ہے۔ ہم اس طرف سے چکر کاٹ کر دشمنوں کے پیچھے پہنچ سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

چند منٹ تک پیچھے ہٹنے کا عمل اور جاری رہا، پھر اچانک انھیں دھوئیں کی بو محسوس ہوئی۔

"یہ۔ یہ دھواں کیسا ہے؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

انھوں نے جلدی سے سامنے دیکھا۔ دھوئیں کے بادل اس طرف اُٹھ رہے تھے۔ گھبرا کر وہ پیچھے مڑے۔ اس طرف بھی دھواں ہی دھواں تھا۔

"انھوں نے جنگل کو آگ لگا دی ہے۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"اُف مالک۔ جنگل کی آگ تو بہت ہولناک ہوتی ہے۔ بجھنے کا نام ہی نہیں لیتی۔" محمود گھبرا کر بولا۔

"ہاں! اسے تو بس صرف ایک چیز بجھا سکتی ہے۔ زبردست بارش اور آسمان پر بارش کے کوئی آثار نہیں ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"آثار ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ بغیر آثار کے بھی بارش برسا سکتے ہیں۔"

"لیکن ہمیں نکلنے کی کوشش بھی تو کرنی چاہیے۔"

"دائیں طرف ابھی تک آگ کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ جلدی کرو۔" انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔

اور انھوں نے بے تحاشہ دوڑ لگا دی۔ لیکن ابھی وہ کافی دور تھے کہ اس طرف بھی دھواں اٹھنے لگا۔

"نہیں بھئی۔ اس طرف بھی آگ لگ چکی ہے۔ یہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت آگ لگا رہے ہیں۔ گویا پہلے سے پروگرام تھا ان کا۔ یا پھر انھوں نے یہاں پہلے ہی کسی

خطے کے پیشِ نظر اس قسم کا بندوبست کر رکھا ہوگا —
خیر آؤ — بائیں طرف چلتے ہیں۔"

وہ واپس مڑے اور بائیں طرف دوڑ پڑے — آسمان پر
اب دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا —

"وہ — وہ — تو مارے گئے۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"کک — کون — ابا جان — آپ کن کی بات کر رہے ہیں؟"

"رشید اور آرام بیگ کی — ہم انھیں باندھ کر ڈال آئے
ہیں — وہ تو بھاگ دوڑ بھی نہیں سکیں گے۔"

"یہ — یہ بہت بُرا ہوا — آرام بیگ سے تو ابھی ہمیں بہت
کچھ معلوم کرنا تھا۔" محمود بولا۔

"اوہ — کہیں یہ آگ اسی لیے تو نہیں لگائی گئی — کہ ہم
آرام بیگ اور رشید کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے اور
وہ جل کر راکھ ہو جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے فکرمندانہ
انداز میں کہا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن دھوئیں کے اس سمندر میں اب ہم ان کی تلاش
میں نہیں نکل سکتے — اب تو کسی نہ کسی طرح ہمیں آگ
کے اس جال سے نکل جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آ — آ — آگ کا جال۔" فاروق ہکلایا۔

"لیجیے — اسے ایسے میں بھی ناولوں کے نام کی پڑی ہے۔"
فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"دھت تیرے کی — فاروق کچھ تو خیال کرو۔" محمود نے
چلا کر کہا۔

"نہیں بھئی — اسے کچھ نہ کہو — اس کا نام تو زندگی ہے
کہ ہر حالت میں آدمی مسکرا سکے۔"

وہ دوڑتے دوڑتے آگ تک پہنچ گئے — حدِ نگاہ تک
آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے — آگ سے محفوظ کوئی جگہ
انھیں نظر نہ آ سکی —

"اب کیا کیا جائے — یہ آگ تو اب اندر کی طرف
بھی آئے گی — اور اس وقت ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"تب پھر —" فرزانہ بولی۔

"پھر یہ کہ ہمیں آگ کو پھلانگنا ہوگا — تیز دوڑتے
ہوئے نکل جانا ہوگا — اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔
اور یہ کوشش بھی ہم صرف اسی وقت کر سکتے ہیں —
جوں جوں آگ پھیلے گی — دوڑ کر اس میں سے نکلنا بھی
ناممکن ہوتا چلا جائے گا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے — یہی کرنا چاہیے — آئیے پھر۔"
اور انھوں نے دوڑ لگا دی — جلد ہی وہ آگ کے

شعلوں کے درمیان سے نکل رہے تھے۔ اور انھیں جہنم کا مزا آ رہا تھا۔ جب وہ آگ کے سمندر سے نکلے۔ تو ان کے حلیے حد درجے عجیب تھے۔ ان کے بال جل چکے تھے۔ بھنوئیں اور پلکیں تک جل گئی تھیں۔ اور وہ عجیب وغریب چیزیں نظر آ رہے تھے۔ کپڑے کئی جگہ سے سلگ اُٹھے تھے۔ پیروں میں آگ سی جلتی محسوس ہو رہی تھی۔ کیوں کہ کئی انگارے ان کے جوتوں کے تلوں سے چپک گئے تھے اور ابھی تک سلگ رہے تھے۔ اور انھیں ان انگاروں سمیت دوڑنا پڑا تھا۔

"ابّا جان۔ یہ ہم تو بہت مہنگی پڑی۔ ہم اپنے بالوں سے محروم ہو گئے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں بیٹا! لیکن دُنیا میں لوگوں نے اس سے بھی بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ان بالوں کا کیا ہے۔ یہ تو پھر اُگ آئیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے بھی خوش دلی سے کہا۔

وہ آگ سے دُور ہوتے چلے گئے۔ پھر اپنے کپڑوں کی آگ کو بجھایا۔ پورے جسم میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ سب سے بُرا حال شہزادی کا تھا۔ وہ بے چاری کب ایسی بھاگ دوڑ کرنے کے قابل تھی۔ بالوں کے جل جانے کی وجہ سے تو وہ بہت ہی عجیب نظر آ رہی تھی۔

"ہمیں جلد از جلد اپنے گھر پہنچنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بشرطیکہ دشمنوں نے پہنچنے دیا۔"

"دشمن اب یہاں کہاں رُکے ہوں گے۔ ان کا اصل مقصد تو آرام بیگ اور رشید کو ختم کرنا تھا۔ یا پھر شہزادی صاحبہ سمیت ہم سب کو ہی وہ ختم کرنا چاہتے ہوں گے۔"

وہ دوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ ٹیکسی کے قریب پہنچ گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور آنکھیں پھاڑے آگ اور دھوئیں کو آسمان سے باتیں کرتا دیکھ رہا تھا، پھر ان پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے نکلا:

"بھ بھ۔ بھوت۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ آپ ہمیں بھوت کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" فاروق بولا۔

"یہ۔ یہ آواز تو ویسی ہی ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور بولا۔

"ہم بھی وہی ہیں۔ بس ذرا ہمارے بال جل گئے ہیں، ہم آگ میں گھر گئے تھے۔" محمود نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔"

"اب اوہ اوہ کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ آپ ہمیں جلد از جلد شہر لے چلیں۔"

"تشریف رکھیے۔"

"ارے ہاں ـ آپ نے فائرنگ کرنے والوں کو دیکھا تھا؟"
"ہاں! وہ ایک بڑی گاڑی میں آئے تھے ـ ویگن تھی، پوری۔"
"اوہ" ان کے منہ سے نکلا۔
"اب آپ نے کیوں اوہ کہا؟"
"آپ کی بات سُن کر ـ تو آپ نے انھیں آگ لگاتے بھی دیکھا تھا؟" فاروق نے پوچھا۔
"اور کیا کر سکتا تھا ـ میں آنکھیں بند کرکے کیا کرتا؟"
"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے؟"
"یہی نہیں ـ میں نے تو ان کی گاڑی کا نمبر بھی نوٹ کر لیا تھا۔"
"ارے!" ان سب کے منہ سے نکلا ـ پھر انسپکٹر جمشید چلّا کر بولے ـ
"یہ ہوا کام ـ بھئی واہ مزا آگیا ـ آپ کو تو انعام ملنا چاہیے۔"
"کیا واقعی" ڈرائیور بے اختیاری کے انداز میں بولا۔
"بالکل سچ ـ نمبر مجھے دے دیں ـ میں آپ کو حکومت سے کم از کم بیس ہزار روپے انعام دلواؤں گا۔"
"کیا!" ڈرائیور چلّا اُٹھا ـ اور پھر اس کا سر سٹیرنگ پر

ٹک گیا ـ
"کیا ہوا بھئی؟" محمود نے گھبرا کر کہا۔
لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا ـ شاید وہ خوشی برداشت نہیں کر سکا تھا اور بے ہوش ہو گیا تھا ـــ انسپکٹر جمشید نے اسے پچھلی سیٹ پر ڈالا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ـ اس طرح وہ گھر پہنچے ـ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دستک دی ـ دروازہ فوراً ہی کھلا، لیکن پھر بیگم جمشید چلّا اُٹھیں:
"کون ہو تم ـ اور میرے شوہر کے انداز میں گھنٹی کس طرح بجا سکتے ہو؟"
"ارے ارے ـ کچھ تو خیال کرو ـ ہم تو پہلے ہی ستائے ہوئے ہیں۔" وہ مسکرائے۔
"ہائیں ـ تم تو ان کی آواز کی بھی پوری پوری نقل کر سکتے ہو؟" وہ حیران رہ گئیں ـ
"امّی جان ـ یہ واقعی ہم ہیں۔" محمود بولا۔
"کیا ـ یہ ـ یہ آپ لوگوں کو کیا ہوا؟" انھوں نے کانپ کر کہا ـ
"بس ذرا آگ میں جھلس گئے ہیں۔"
"ارے باپ رے" وہ یک دم دروازے پر سے ہٹ

گئیں اور وہ اندر داخل ہوئے۔

انسپکٹر جمشید تیر کی طرح فون کی طرف گئے۔ دوسرے ہی منٹ وہ صدر صاحب سے بات کر رہے تھے:

"ہیلو سر۔ ہم نے شہزادی صاحبہ کو تلاش کر لیا ہے۔ اور اس وقت میں گھر سے بول رہا ہوں۔"

"لیکن جمشید۔ تمھیں تو چاہیے تھا۔ انھیں لے کر فوراً ادھر آتے۔"

"جی بس۔ کیا بتاؤں۔ صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ نہیں آ سکتے۔ آپ سردار عارف کو ادھر بھیج دیں۔"

"نہیں! میں خود انھیں لے کر آ رہا ہوں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" انھوں نے کہا۔

ان کے آنے میں صرف چند منٹ لگے۔ وہ ان سب کو دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔

"یہ۔ یہ تم سب کو کیا ہوا بھئی؟"

انھوں نے کہانی سنا ڈالی، پھر بولے:

"اس سے پہلے کہ شہزادی صاحبہ ریاست ثوبان کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا حلیہ درست کرنا ہوگا۔ میں ابھی انتظامات کرتا ہوں۔ اسی دوران مجھے ایک کام اور بھی کرنا ہے۔"

"وہی۔ اس گاڑی والا۔" اکرام بولا۔

"ہاں! مشکل یہ ہے کہ تم بھی اس حلیے میں باہر نہیں جا سکتے۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ سادہ لباس والوں سے کام لینا ہوگا۔"

اب انھوں نے فون کا ریسیور سنبھال لیا اور ادھر ادھر فون کرنے لگے۔ پھر فون کا ریسیور رکھ دیا۔ جلد ہی میک اپ کے ماہرین مرد اور عورتیں پہنچ گئیں۔ عورتوں نے شہزادی کا حلیہ درست کرنا شروع کر دیا اور مرد ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"جمشید۔ اس کام میں کتنی دیر لگ جائے گی؟" ایسے میں صدر صاحب بولے۔

"کیوں سر۔ خیر تو ہے؟"

"سردار عارف صاحب۔ جلد از جلد شہزادی صاحبہ کو لے کر ریاست جانا چاہتے ہیں۔"

"میں انھیں جلدی کا مشورہ نہیں دوں گا سر۔" وہ بولے۔

"ہوں۔ شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں، جہاں اتنی دیر ہو گئی۔ کچھ دیر اور سہی۔" سردار عارف بولے۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف رجسٹریشن کے دفتر سے ایک آفیسر بول رہا تھا:

"ہیلو انسپکٹر صاحب۔ وین کا پتا چل گیا ہے۔"

"بہت خوب۔ کس کی ہے وہ؟"

"ہوٹل رین بو کی۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

سلسلہ کاٹ کر وہ سادہ لباس والوں کو ہدایات دینے کے لیے نمبر ڈائل کرنے لگے۔

شہزادی

ہوٹل رین بو کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا۔ اس کے مالک کو بات کرنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ خان زوار باہر نکل آیا اور ناخوش گوار لہجے میں بولا،

"آخر میرے ہوٹل کو کیوں گھیرے میں لیا گیا ہے۔ ہم نے کیا کیا ہے۔ ہوٹل کی ساکھ تو تباہ ہو کر رہ جائے گی اس طرح۔ میری لاکھوں روپے کی سالانہ آمدنی ماری جائے گی۔ یہ نقصان کون پورا کرے گا۔ میں دعویٰ کروں گا۔"

"آپ دعویٰ ضرور کیجیے گا، لیکن پہلے ہماری بات سن لیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ بات تو میں سنوں گا ہی۔" اس نے جل کر کہا۔

"آر کے نو سو چون نمبر وین آپ کے ہوٹل کی ہے؟"

"بالکل ہے — تو پھر؟"

"چند گھنٹے پہلے اس ویگن پر بہت سے آدمی سوار ہو کر جنگل کی طرف گئے تھے — وہاں انھوں نے کچھ لوگوں پر گولیاں برسائیں — پھر جنگل کو آگ لگا دی گئی — وہ آگ اب تک بھڑک رہی ہے — اور کم از کم دو انسان اس آگ میں زندہ جل گئے ہیں — چرند پرند جو جلے ہیں اور جل رہے ہیں، وہ الگ رہے، سرکاری جنگل کے ان گنت درخت جل کر راکھ ہو جائیں گے — یہ بھی الگ حساب ہے — آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میرے ہوٹل کی یہ ویگن جنگل کی طرف نہیں گئی۔"

"اگر بات یہی ہے تو ہم آپ سے معافی مانگ لیں گے — آپ اپنے تمام ملازمین کو پیش کریں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے جھلّا کر کہا۔

جلد ہی تمام ملازمین ان کے سامنے موجود تھے — اب انسپکٹر جمشید ٹیکسی ڈرائیور کی طرف مڑے:

"آپ کو بیس ہزار روپے انعام ضرور ملے گا — بلکہ پانچ ہزار اور ملے گا — پہلے آپ ان لوگوں کو غور سے دیکھیں اور بتائیں کہ ویگن میں کون کون ان میں سے موجود تھے؟"

"جی بہتر، لیکن مجھے ان کے نزدیک جانا ہوگا۔"

"ہاں ضرور — کیوں نہیں — آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ان شاء اللہ۔"

وہ پولیس جیپ سے اتر کر ان کے نزدیک چلا گیا — اور ایک ایک کو غور سے دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا — اس نے اس قطار میں سے بیس آدمیوں کو الگ کیا:

"مسٹر خان زوار — یہ لوگ اس ویگن میں جنگل میں گئے تھے — انھوں نے فائرنگ بھی کی اور جنگل کو آگ بھی لگائی۔"

"یہ بات بالکل غلط ہے۔"

"اگر یہ لوگ اقرار کر لیں تو؟"

"کیوں بھئی — تم کیا کہتے ہو؟" خان زوار ان کی طرف مڑا۔

"جواب دینے سے پہلے میری ایک بات سن لو دوستو۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

وہ سب ان کی طرف دیکھنے لگے:

"اگر تم لوگوں نے سچ کہا تو عدالت میں وعدہ معاف گواہ بنا کر چھوڑ دیے جاؤ گے — اور اگر جھوٹ پر اڑے رہے تو پھر جو سزا اس شخص کو ملے گی — وہی تمہیں بھی ملے گی، کیونکہ فائرنگ تم نے کی ہے اور آگ بھی

تم نے لگائی ہے؟"

"نہیں نہیں — ہم جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ہمیں خان زوار نے ہی جنگل میں بھیجا تھا اور وہی کچھ کرنے کی ہدایت دی تھی۔ جو ہم نے کیا ہے"

خان زوار کا چہرہ سیاہ پڑ گیا :

"اب ہم پورے ہوٹل کی تلاشی لیں گے۔ خاص طور پر خان زوار کے کمرے کی"

خان زوار کو حراست میں لے لیا گیا۔ ہیں کے بیس آدمی بھی حراست میں لیے جا چکے تھے، لیکن انھیں اطمینان دلایا گیا، فی الحال انھیں گرفتار کرنا پڑے گا۔

خان زوار کے کمرے کی تلاشی لینے پر تو کچھ نہ ملا، البتہ وہاں سے ایک خفیہ راستا ضرور مل گیا۔ جو اس ہوٹل کے آخری کمرے تک جاتا تھا۔ اور جب انھوں نے آخری کمرے کی تلاشی لی تو انھیں بہت کچھ مل گیا :

"لیجیے سر — یہ رہا ثبوت — خان زوار ہمارے دشمن ملک کا ایجنٹ ہے۔ اور یہ سب کام وہ اس کی ہدایات پر کرتا رہا ہے۔ اسی نے مسٹر افضل کاردار کو شہزادی صاحبہ کے اغوا پر مجبور کیا تھا۔ اور مجبور بھی اس طرح کیا کہ ان کی بیوی کو اغوا کر لیا۔ اور انھیں رہا کرنے کی

شرط یہ لگائی کہ وہ بیرون ملک جا کر ثوبان کی شہزادی کو اغوا کر کے لائیں۔ افضل کاردار اغوا کا ماہر تھا۔ لہٰذا اس نے یہ کام کر ڈالا، لیکن جب وہ اسے یہاں لایا تو اس شخص نے دوسری شرط رکھی۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ اب افضل کاردار اس لڑکی سے شادی بھی کرے، شہزادی کو ذہنی طور پر بے کار کرنے کے لیے انجکشن وغیرہ لگائے گئے۔ اس طرح یہ شادی کرائی گئی۔ یہ بات میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی کہ آخر خان زوار شادی کیوں کرانا چاہتا تھا؟"

"دشمن ملک شارجستان کے کہنے پر" سردار عارف بولے۔

"جی — کیا مطلب؟"

"ہماری ریاست کا ایک اصول یہ ہے کہ ریاست کا حکمران صرف کنوارا آدمی بن سکتا ہے۔ حکمران بننے کے پانچ سال بعد وہ شادی کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی سازش یہ تھی کہ شہزادی کی شادی کرا دی جائے۔ تاکہ قانون کے اعتبار سے وہ ملک کی باگ ڈور سنبھال ہی نہ سکے!"

"اوہ — تب تو کام خراب ہو گیا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اس بات کا تو مجھے بھی علم نہیں تھا"

"ابھی کام خراب نہیں ہوا" شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

"گُک۔ کیا مطلب؟"

"یہ میں ریاست چل کر بتاؤں گی۔ میں آپ لوگوں سے بھی درخواست کروں گی۔ ہمارے ساتھ چلیں۔ اور اس موقعے پر وہاں رہیں۔" شہزادی کا اشارہ انسپکٹر جمشید وغیرہ کی طرف تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" ان کی بجائے صدر صاحب بول اُٹھے۔

"یہاں تو اب سب کام مکمل ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے۔ ہم اسی وقت روانہ ہو سکتے ہیں۔" سردار عارف بولے۔

"جی ہاں! بالکل۔" شہزادی نے کہا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اور ہمیں تو ایسے موقعوں پر بالکل اعتراض ہوا ہی نہیں کرتا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔ سب لوگ مسکرا دیے۔

○

ان کا سپیشل جہاز جب ریاست ثوبان کے ایئرپورٹ پر اُترا تو ہزاروں لوگ استقبال کے لیے جمع ہو چکے تھے۔

سردار عارف نے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ شہزادی صاحبہ مل گئی ہیں اور وہ انھیں لے کر پہنچ رہے ہیں۔ ایک بڑے جلوس کی صورت میں انھیں محل تک لایا گیا۔ راستے بھر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ محل کے سامنے سٹیج لگا دیا گیا تھا۔ جس پر کھڑے ہو کر شہزادی کو یہ ثبوت پیش کرنا تھا کہ وہ شہزادی ہیں۔ جب وہ سٹیج پر کھڑی ہوئیں تو تمام لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ صرف انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ تالیاں بجانے والوں میں شامل نہیں تھے۔ اور پھر شہزادی نے ہاتھ بلند کر دیے۔ سب لوگ تالیاں بجانے سے رک گئے۔

"حاضرین! السلام علیکم۔ میں آپ کے سامنے ہوں۔ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں۔ پہلے تو صرف یہ بتائیے۔" شہزادی نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"ہم صرف اور صرف یہ کہتے ہیں کہ اب آپ حکمرانی کرنے کے قابل نہیں رہیں، کیوں کہ آپ شادی کر چکی ہیں۔" سازشیوں میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔

"ابھی اس بات کو رہنے دیں۔ پہلے تو مجھے یہ بات ثابت کرنے دیں کہ میں شہزادی ہوں بھی یا نہیں۔" شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں ۔ ہمیں اس ثبوت کی ضرورت نہیں ۔ ہم جانتے ہیں، شہزادی آپ ہی ہیں۔"

"کیوں! آپ کس طرح جانتے ہیں بھلا؟" شہزادی نے کہا۔

"آپ کے دائیں کندھے پر ایک نیلے ستارے کا پیدائشی نشان ہے ۔ اس بات کو سب جانتے ہیں۔" ایک اور بولا ۔

"تو کیا ۔ آپ نے میری بہن کو اسی لیے حکمران نہیں مانا، کہ ان کے کندھے پر ستارہ نہیں ہے؟"

"جب ہم نے یہ الزام لگایا کہ یہ شہزادی نہیں ہیں ۔ بلکہ سردار مارث کی بیٹی ہیں تو جواب انھیں کہنا چاہیے تھا نا کہ نہیں ۔ میں شہزادی ہوں، کیوں کہ میرے کندھے پر ستارہ موجود ہے، لیکن انھوں نے یہ بات نہیں کہی ۔ کہتی تو اس وقت نا ۔ جب ستارہ ہوتا۔"

"ہوں ۔ بات تو ٹھیک ہے ۔ تو میری بہن اس لیے حکمران نہیں بن سکتی ۔ کہ اس کے کندھے پر ستارہ نہیں ہے ۔ اور میں اس لیے نہیں بن سکتی کہ میری شادی ہو چکی ہے، کیوں ۔ ٹھیک ہے؟"

"بالکل ۔ بالکل۔" مجمعے میں پھیلے ہوئے سازشی بولے۔

"تب پھر حکمران کون ہونا چاہیے ۔ یہ آپ لوگ بتا دیں۔" شہزادی نے کہا۔

مجمعے پر سناٹا چھا گیا ۔ شاید اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا ۔ ایسے میں ایک آواز ابھری:

"انتخابات کرا لیے جائیں؟"

"ہوں ۔ خیر ۔ اس پہلو پر بھی غور کریں گے ۔ میں آپ کے سامنے ایک دوسری تجویز پیش کرتی ہوں۔" شہزادی نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"ضرور ۔ کیوں نہیں۔" مجمع چلا اٹھا۔

"کیوں نہ آپ میری بہن کو حکمران مان لیں؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟" سازشی چلائے۔

"کیوں ۔ بات کیوں نہیں ہوئی ۔ ان میں اور مجھ میں فرق ہی کیا ہے؟"

"نہیں نہیں ۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" سازشی چلائے۔

"اچھا ۔ اگر میں یہ کہوں۔" شہزادی یہاں تک کہہ کر رک گئی ۔

"کیا کہوں ۔ کچھ کہیے بھی تو۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"یہ کہ میں شہزادی نہیں ہوں ۔ شہزادی دراصل وہی ہیں، جو پہلے ہی بن چکی ہیں۔"

"یہ — یہ غلط ہے — جھوٹ ہے۔"

"یہ بات غلط نہیں ہے — بلکہ سو فیصد درست ہے — دیکھیے — میرا دایاں کندھا۔"

یہ کہہ کر اس نے کندھے کے پاس سے کپڑا ہٹا دیا — سب نے صاف دیکھا کہ وہاں کوئی ستارہ نہیں تھا۔

"ارے — یہ — یہ کیا؟"

"ستارہ اسی کے کندھے پر ہے — جو شہزادی بن چکی ہے، میں شہزادی ہوں ہی نہیں — میں تو اپنے بابا — سردار عارف کی بیٹی ہوں۔"

"یہ — یہ سب کیا ہے بیٹی؟" بے شمار آوازیں ابھریں۔

"میں بتاتی ہوں — جس روز مجھے اغوا کیا گیا — اس روز شاہی لباس میں میں تھی — شہزادی نے اپنا لباس مجھے دے دیا تھا اور خود میرا لباس پہن لیا تھا — اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ قدرت ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے — پھر میں اغوا ہو گئی — بے ہوشی کی حالت میں ہی مجھے انجکشن وغیرہ لگائے گئے — جن کی وجہ سے میں اپنے ہوش گنوا بیٹھی — اور اس حالت میں افضل سردار نے مجھ سے شادی کر لی — میں کچھ بھی نہ کر سکی — پھر میں یہ سوچ

کر مطمئن ہو گئی کہ میں تو شہزادی ہوں ہی نہیں — یہ ہے کُل کہانی — میری بہن — اب تم آ جاؤ — اور انھیں نیلا ستارہ دکھا دو۔"

شہزادی اُٹھ کر اس کے برابر آ گئی — اور اس نے اپنے کندھے پر سے کپڑا اُتار کر دکھا دیا — وہاں بڑا سا ایک ستارہ موجود تھا —

مجمعے میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ گونج اُٹھی —

"خفیہ پولیس کو ہدایت کی گئی تھی کہ سازشیوں پر نظر رکھی جائے — لہٰذا وُہ اب پوری طرح نظروں میں آ چکے ہیں — اسی جگہ انھیں گرفتار کیا جائے گا — اگر وُہ بھاگنے کی کوشش کریں — تو مجمعے کو چاہیے — انھیں دبوچ لیں۔" سردار عارف نے اعلان کیا۔

اس اعلان کو سُنتے ہی کچھ بے وقوف سازشی بھاگ نکلے — اور مجمعے کے ہتھے چڑھ گئے — کچھ خفیہ پولیس کے ذریعے گرفتار کر لیے گئے —

دُوسرے دن انھوں نے سردار عارف، ان کی بیٹی اور شہزادی سے رُخصت چاہی —

"جی تو نہیں چاہتا — میں تو کہتی ہوں — آپ پورا ایک ہفتہ یہاں گزاریں — ریاست کی خوب سیر کریں —

آپ لوگوں کو ہماری ریاست کے دل کش نظارے ضرور پسند آئیں گے؟

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کو نہیں معلوم" فاروق بول اُٹھا۔

"کیا نہیں معلوم" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ۔ سات دنوں میں تو ہم پورے سات کیس اِدھر سے اُدھر کر دیں گے" فاروق مسکرایا۔

"اِدھر سے اُدھر کر دیں گے۔ کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولیں۔

"جی۔ مطلب یہ کہ حل کر ڈالیں گے۔ جب کہ یہاں شاید ہی کوئی کیس پلّے پڑے" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"گویا آپ کیسوں کے بغیر نہیں رہ سکتے؟"

"جی۔ جی ہاں۔ اس لیے کہ کیسوں کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے" فاروق مسکرایا۔

"اوہ اچھا" آپ دونوں کچھ نہیں بول رہے" شہزادی نے محمود اور فرزانہ کی طرف رُخ کیا۔

"جی وہ۔ بات یہ ہے کہ۔ جہاں یہ حضرت ہوں نا۔ وہاں کسی دوسرے کی زبان کی دال گل ہی نہیں سکتی۔"

"زبان کی دال" شہزادی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

سردار عارف اور انسپکٹر جمشید ہنس پڑے۔ فاروق منہ بنانے لگا۔

دوزخی مجرم

کا انعامی سوال

س: اس ناول میں اصل مجرم کون ہے؟

- پہلے موصول ہونے والے ایک سو درست جوابات میں سے دس قارئین کو انعام دیا جائے گا——
- قرعہ اندازی کے ذریعے دو قارئین کو پچاس پچاس روپے کا نقد انعام اور آٹھ قارئین کو ادارہ اپنی پسند کی پانچ پانچ کتابوں کے پیکٹ بطور انعام روانہ کرے گا——
- خطوط درج ذیل پتے پر ارسال کریں:

اشتیاق احمد

وی ۸/۶ سٹیلائٹ ٹاؤن —— جھنگ صدر

پوسٹ کوڈ ۳۵۲۰۶

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۸۰

خونی خزانہ

—— مصنف: اشتیاق احمد ——

- اژدھوں کے ایک شکاری سے ملیے ——
- ایک شخص اس سے اژدھا شکار کرانا چاہتا تھا ——
- لیکن — شکاری نے اژدھا کی بجائے دوسری قسم کا شکار کھیلا ——
- محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید ایک تفریحی سفر پر رواں دواں تھے کہ اچانک ——
- ایک خوفناک جال — جس میں انھیں بند کر دیا گیا ——
- محمود، فاروق اور فرزانہ کی شوخیاں عروج پر ——
- انسپکٹر جمشید حیرت انگیز طور پر مجرم تک پہنچتے ہیں ——

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۸۱

آٹھواں آدمی

—مصنف: اشتیاق احمد—

- محمود، فاروق اور فرزانہ ایک گھر میں داخل ہوئے اور پھر—
- اور پھر وہ اتنی زور سے اُچھلے کہ کیا کبھی اُچھلے ہوں گے—
- لیکن — وہ کیوں اُچھلے تھے—آپ بھی پڑھ کر اُچھلے بغیر نہ رہ سکیں گے—
- ملک کو ایک خوف ناک خطرہ لاحق تھا—
- جب انسپکٹر جمشید ملک کو بچانے کے لیے میدانِ عمل میں کود پڑے—
- جی موف — یہ نام آپ پہلی بار سُنیں گے—

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر

چوری کی لاش

—مصنف: اشتیاق احمد—

- آفتاب، آصف اور فرحت شام کی سیر کرنے نکلے تھے—
- لیکن انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سیر اور ہی رنگ لانے والی ہے—
- انھوں نے ایک عجیب آواز سُنی—
- ایک عورت— جس کا بیٹا تین دن سے غائب تھا—
- ایک ایسا ناول جس میں انھیں الگ الگ راستے پر تفتیش کرنا پڑی—
- پھر— مجرم تک پہلے کون سی پارٹی پہنچی— یہ بات آپ کے لیے حد درجے دلچسپی کا باعث ہوگی—
- اخبار لانے والا کون تھا—

قیمت: ۵/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۵۲

ستارہ گروپ

مصنف: اشتیاق احمد

○ ان کا گاہک ان سے ایک خطرناک کام لینا چاہتا تھا۔

○ شوکی نے اس کے لیے کام کرنا منظور کر لیا۔

○ لیکن یہ کام انھیں بہت مہنگا پڑا۔

○ اشفاق کی جان کے انھیں لالے پڑ گئے۔

○ ایک پُر اسرار عمارت۔ جس کے سب لوگ پُر اسرار تھے۔

○ آپ قدم قدم پر چونکیں گے اور حیرت کے پہاڑ آپ پر ٹوٹیں گے۔

○ آخر میں آپ کہہ اٹھیں گے۔ بہت کم ایسے ناول پڑھے ہوں گے۔

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

چوتھا خاص نمبر

انسپکٹر ارسلان سیریز ۲۸

دماغ کی چوری

مصنف: آفتاب احمد

○ بابر، توقیر اور بیگم ارسلان کی انسپکٹر ارسلان سے منفرد لڑائی، کیوں؟

○ اشامی۔ اشامی کون تھا؟

○ اس نے ایک ایسی بات منہ سے نکالی جو کسی ایٹم بم سے کم نہیں تھی۔

- الارشا ایک عجیب شخص —
- اس نے انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور چاند کے دو ٹکڑے کر دیے —
- جگلاش سے ملیے — وہ کون تھا ؟
- دُنیا کے ایک ایسے اسلام دشمن شخص کا خطرناک منصوبہ جو اپنے نظریات پھیلا کر اسلام کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا ہے — ٹکلر بے شین اور انڈوواز اس کی مدد کرتے ہیں — کس طرح ؟
- ایک ایسا ہولناک پروگرام کہ سُن کر آنکھیں پتھرا جائیں۔
- وہ اپنے ہاتھوں میں دُنیا کا خطرناک بم لیے کھڑا تھا — ہزاروں لوگ اسے دیکھ رہے تھے —
- اور قبر سے ایک نورانی ہاتھ برآمد ہوتا ہے —
- آخر میں انسپکٹر ارسلان دشمن سے ایک عجیب سودا کرتے ہیں —
- انسپکٹر ارسلان کہاں غائب تھے ؟
- ایک انوکھا پھندا۔

کیا آپ

- اشتیاق احمد کے نئے قاری ہیں ؟
- آپ نے نئی نئی لائبریری تو نہیں کھولی ؟
- آپ کو اشتیاق احمد کے پرانے ناول تو درکار نہیں ؟
- ایسے ناول جو آپ کو سٹالوں پر نہیں مل سکے۔
- اگر ایسی کوئی بات ہے تو براہِ راست ادارے سے رابطہ قائم کریں —
- لائبریریز کے لیے خصوصی رعایت دی جائے گی۔

شکریہ

- ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ایک جلد میں تیار ہو گیا ہے۔
- ایک جلد والا خاص نمبر ان قارئین کے لیے تیار کرایا گیا ہے۔ جو جنون کی حد تک اشتیاق احمد کی کتابیں ریکارڈ میں رکھتے ہیں۔
- ایک جلد کے خاص نمبر کی قیمت ۶۲/- روپے ہے۔ مگر آپ ۵۵/- روپے کا منی آرڈر بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔
- لائبریریز کے مالکان بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ادارہ